دسمبر 2020ء

ماہنامہ

جہانِ رضا

لاہور

بیاد

مجدد دین و ملت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ

مدیرِ اعلیٰ

محمد منیر رضا قادری

★ اُم المؤمنین سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا
★ فضائل حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما
★ فلسفۂ شہادت ★ قربانی
★ شب برأت اور دعوتِ عمل
★ فلسفۂ زکوٰۃ ★ روزہ کے فضائل و مسائل
★ تاریخ کعبۂ معظّمہ ★ جن

مرکزی مجلسِ رضا
MARKAZI MAJLIS-E-REZA

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہٗ کے افکار کا حقیقی وتحقیقی ترجمان

ماہنامہ جہانِ رضا لاہور

شمارہ 259۔ دسمبر 2020ء جمادی الاول 1442ھ۔ جلد 30

بیاد مجدد دین وملت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ

بانی مجلس رضا: حکیم اہلسنّت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بانی ماہنامہ: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ

محمد منیر رضا قادری رضوی عفی عنہ

مرکزی مجلس رضا
MARKAZI MAJLIS-E-REZA

فہرست

خط وکتابت ترسیل زر اور ملنے کا پتا

مسلم کتابوی داتا دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ، لاہور
0321-4477511
042-37225605
Email:muslimkitabevi@gmail.com

زرتعاون فی پرچہ -/30 روپے

سالانہ چندہ بذریعہ ڈاک -/500

عذابِ قبر سے حفاظت

جس نے

سُوْرَۃُ مُلْکْ اور **سُوْرَۃُ سَجْدَہْ**

مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھی تو گویا اس نے لیلۃ القدر میں قیام کیا اللہ پاک اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھیں گے۔

سارے گناہ معاف

جس نے سورہ یٰس ہر روز پڑھی پھر مر گیا' شہید مرا' جو اس سورہ کو صرف اللہ پاک کی رضا کے لئے پڑھے اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

مرض الموت کی دعا

جو شخص مرض الموت میں اس دعا کو چالیس بار پڑھے گا اس کو شہادت کا ثواب ملے گا' وہ دعا یہ ہے لہذا ہر بیماری ہی کے وقت اس کا ورد کیا جائے کیونکہ ممکن ہے وہی مرض الموت ہو۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ مرتب

اشرف الفقہاء مفتی محمد مجیب اشرف رضوی برکاتی نور اللہ مرقدہٗ (ولادت: ۶/نومبر ۱۹۳۷ء/ وفات: ۶/۷/اگست ۲۰۲۰ء) ایک متحرک اور فعال عالم دین، مفتیِ شرعِ متین، داعیِ اسلام اور شیخِ طریقت تھے۔ اسلاف کے سچے جانشین تھے۔ آپ کی ذات ہر جہت سے ممتاز تھی، آپ ایک بلند پایہ مبلغ، ولولہ انگیز خطیب، سنجیدہ طبع مصنف، تقویٰ و پرہیز گاری میں اونچا مقام رکھنے والے صوفی اور ایک باذوق شاعر بھی تھے۔

یقیناً حضرت کی ذاتِ گرامی علما وفقہا اور عوامِ اہل سنت کے لیے ایک مرجع کی حیثیت رکھتی تھی۔ تقریباً نصف صدی آپ نے علم و ہنر اور دین وسنیت کی وہ عظیم خدمت کی جس سے تاریخ کا باب روشن ونمایاں ہے۔ میدانِ تدریس کے ساتھ ساتھ آپ تصنیف و تالیف کے عظیم شہسوار تھے۔ آپ نے جہاں مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں وہیں دیگر مصنفوں کی کتابوں پر تقاریظ، پیش لفظ، مقدمے، دُعائیہ کلمات اور گاہے گاہے مختلف موضوعات پر وقیع علمی مضامین بھی لکھے، جو اہلِ علم کے لیے ایک دفتر سے کم نہیں۔ اگر حضور اشرف الفقہاء کی تمام تصنیفات وتالیفات، مقالات ومضامین، خطوط اور نعتیہ کلام کو جمع کیا جائے تو حضرت کی شخصیت کی جو پرتیں ہیں وہ کھلتی جائیں گی اور رُشد و ہدایت کا عظیم سامان ہوگا۔

اشرف الفقہاء مفتی محمد مجیب اشرف رضوی علیہ الرحمۃ کے مضامین ومقالات ناگپور سے نکلنے والے ماہ نامہ ''مدنی تجلیات'' میں شائع ہوا کرتے تھے۔ مذہبی صحافت کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے مفتی غلام محمد خان اشہرؔ ناگپوری نے جنوری ۱۹۶۶ء میں ماہ نامہ ''تجلیات'' کا اجرا فرمایا جو قانونی کارروائیوں کے بعد ''مدنی تجلیات'' کے نام سے موسوم ہوا تب سے ہی اشرف الفقہاء مفتی محمد مجیب اشرف رضوی اس کے کالم نگار کی حیثیت سے فعال رہے اور تقریباً ہر شمارے میں نہ سہی اکثر شماروں میں مضامین کی کہکشاں سجاتے رہے۔ یہ ماہ نامہ جون ۱۹۶۸ء تک ہی جاری رہ سکا۔

جب سے مجھے اس بات کا علم ہوا کہ ماہ نامہ ''مدنی تجلیات'' میں حضور اشرف الفقہاء کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے تب سے ان کی شدت کے ساتھ تلاش جاری تھی۔ میں محب گرامی مولانا شمس تبریز امجدی (مقیم حال جدہ) کا شکر گزار ہوں، جنھوں نے اس جستجو کو تکمیل تک پہنچاتے ہوئے

مجھے انھوں نے اپنے برادرِ اصغر مولانا مبارک حسین برکاتی کے توسط سے جامع اشرف کچھوچھہ مقدسہ کی مشہور ''سید مختار اشرف لائبریری'' سے چند مضامین ارسال فرمائے۔ حضور اشرف الفقہاء نے جب ان مضامین کو دیکھا تو بے حد خوشی ومسرت کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ بیٹا اور بھی مضامین ہوں گے، ان کو بھی تلاش کر کے یکجا کیجیے اور اشاعتِ نو عمل میں لایئے۔ چناں چہ مزید مضامین کی تلاش کا سلسلہ چلتا رہا۔ بالآخر مولانا مجتبیٰ شریف خان کی ایما پر اور مولانا محمد فیض احمد رضوی مصباحی کے اشارہ پر میں نے مولانا حسان ملک نوری (برہان پور) سے رابطہ کیا، جہاں سے مجھے مزید کچھ مضامین ملے۔ راقم ان جملہ حضرات کی علم دوستی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہے۔

پیشِ نظر کتاب میں اشرف الفقہاء کے نوکِ قلم سے لکھے ہوئے کل ۹ رمضامین یکجا کیے گئے ہیں۔ ان کے دل آویز خطبات ہی کی طرح ان مضامین کی زبان و بیان اور اسلوب نہایت شگفتہ، سلیس، رواں دواں، دل کش اور دل نشین ہے۔ یہ مضامین عوام وخواص دونوں کے لیے یکساں مفید ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ مضامین حضرت کی حیات ہی میں منظر عام پر آجاتے، خیر ''اے رضاؔ ہر کام کا اِک وقت ہے'' کے مصداق حضرت کے عرسِ چہلم کی مناسبت سے خطیب برکاتی علامہ وقار احمد عزیزی صاحب قبلہ کی فرمایش پر کتاب ''مضامین اشرف الفقہاء'' نوری مشن، مالیگاؤں کے زیر اہتمام آپ کے ہاتھوں کی زینت بن رہی ہے۔ ان مضامین میں درج قرآنی آیات کے ساتھ ساتھ احادیث میں بھی اعراب لگا دیے گئے ہیں، نیز حتی الامکان احادیث کی تخریج بھی کر دی گئی ہے۔ کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں کوئی کمی یا کوتاہی راہ پا گئی ہو تو مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کی جا سکے۔ دُعا ہے کہ رب کریم! حضور اشرف الفقہاء کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے اور ہمیں ان کے فیضان سے مالا مال فرمائے، آمین بجاہ النبی الامین الاشرف الافضل النجیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم!

(ڈاکٹر) محمد حسین مشاہدؔ رضوی

یکم محرم الحرام ۱۴۴۲ھ/ ۲۱ راگست ۲۰۲۰ء جمعۃ المبارک

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ام المؤمنین سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

اسلام اور مسلمانوں کی وہ بڑی محسنہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب سے پہلی زوجۂ مطہرہ، خاتونِ جنت سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ ماجدہ، مسلمانوں کی سب سے پہلی ماں سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد ہیں۔ جن کی بہت بڑی اسلامی خدمتیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جانی ومالی قربانیاں قیامت تک اسلام اور مسلمانوں کے لیے مایۂ افتخار ہیں۔

یہ فخر عورتوں ہی کو حاصل ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے، اسلام قبول کرنے، اسلام کی حمایت میں اپنا زر ومال قربان کرنے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہر طرح سکون واطمینان پیدا کرنے میں ایک خاتون ہی کا حصہ ہے جسے دُنیا حضرت خدیجہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اس وقت (ہوا) جب کہ آپ کی عمر چالیس سال کی تھی اور حضور کی عمر شریف پچیس سال کی تھی۔ حضرت خدیجہ اس سے قبل ابوہالہ بن زرارہ اور عتیق بن عائذ کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔ عتیق کے بعد آپ کا ارادۂ نکاح نہ تھا۔ مکۂ معظّمہ کے بعض شریفوں اور سرداروں نے پیغامات بھی بھیجے مگر آپ نے انکار کر دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امانت داری ودیانت کیشی کے پیشِ نظر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بہت سا مال شام کی تجارت کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا، سفرِ تجارت سے واپسی پر مال واسباب میں بہت بڑے منافع کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق اور نبوت ورسالت کی نشانیوں کو اپنے غلام میسرہ سے معلوم کیا تو بے قرار ہوگئیں اور خود ہی نکاح کا پیغام بھجوایا، جو مقدراتِ ایزدی سے فوراً قبول ہوگیا اور حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) نے آپ سے نکاح کرلیا۔ اس سے قبل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوئی نکاح نہ فرمایا تھا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں دوسرا نکاح نہ کیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ نکاح کے زمانے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبوت ورسالت کا اعلان نہیں فرمایا تھا۔ اسلام کی دعوت شروع نہیں ہوئی تھی۔ آپ غارِ حرا میں تشریف لے جا کر اللہ عزوجل کی عبادت فرمایا کرتے کئی کئی روز کا کھانا لے جا کر غارِ حرا میں عبادت کے لیے مصروف؛ توشہ ختم ہوجاتا، پھر مکان حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے آتے، پھر

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کھانا وغیرہ کئی روز کا تیار کر کے رُخصت فرمادیتیں۔غرض یہ کہ ابتدائی زمانہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا؛ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزاجِ اقدس کے مطابق خدمات انجام دیتی رہیں۔

نزولِ وحی (قرآن مجید نازل ہونے) کی وہ ابتدا جس میں بارِ نبوت ورسالت اور وحی کے عظیم اثرات سے آپ متاثر ہوئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لاکر ''زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ'' (مجھے کمبل اڑھادو، مجھے کمبل اڑھادو) فرماتے ہوئے اظہارِ کلفت فرمایا تو اس وقت یہی حضرت سیدتنا خدیجہ تھیں جنھوں نے تسلی کے حقوق کو اس طرح ادا فرمایا:

كَلَّا وَاللّٰهِ، مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا ؛ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔ (بخاری: الجزء رقم: ۱، الصفحۃ رقم: ۷، حدیث: ۳)

''عرض کرتی ہیں (یارسول اللہ) قسم اللہ کی اللہ تعالیٰ آپ کو غمزدہ نہیں فرمائے گا، (اس لیے کہ آپ) صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، ہر ایک کا (خواہ یتیم ہو، مسکین ہو، فقیر ہو، اپنا ہو، بیگانہ ہو) بار اُٹھاتے ہیں، مالی امداد فقیر کی کرتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں اور ایسے امور پر جو حق کے لیے ہوں اعانت فرماتے ہیں (پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مشقت وملال میں ڈال دے)''

سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مندرجہ بالا الفاظ پر غور فرمایئے، کتنے ہی معانی اور شعبہ ہائے اخلاق کو لیے ہوئے ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس وصحبت نے جو فہم وفراست ومعرفت آپ میں پیدا کردی تھی فوراً زبان پر آگئیں جس سے عورتوں پر آپ کے مرتبہ کی بلندی ظاہر ہوتی ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا اظہار فرمایا:

وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ

(بخاری: الجزء رقم: ۴، الصفحۃ رقم: ۱۶۴، حدیث: ۳۴۳۲/مسلم: الجزء رقم: ۷، الصفحۃ رقم: ۱۳۲، حدیث: ۲۴۳۰)

''زمین کی عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہ بن خویلد ہیں۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بلند مرتبہ اس اہم واقعہ سے بھی اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسبِ معمول غارِ حرا میں مصروفِ عبادت تھے اور آپ حضور کے لیے کھانا تیار کر کے خود لیے جارہی تھیں کہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام فوراً پہلے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، هٰذِهِ خَدِيْجَةُ قَدْ أَتَتْ مَعَهَا إِنَاءٌ فِيْهِ إِدَامٌ، أَوْ طَعَامٌ، أَوْ شَرَابٌ، فَإِذَا هِيَ أَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنْ رَبِّهَا، وَمِنِّيْ، وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيْهِ، وَلَا نَصَبَ۔

(بخاری: الجزء رقم: ۵، الصفحۃ رقم: ۳۹، حدیث: ۳۸۲۰/ مسلم: الجزء رقم: ۷، الصفحۃ رقم: ۱۳۳، حدیث: ۲۴۳۲)

''یارسول اللہ! یہ حضرت خدیجہ اپنے ساتھ برتن میں سالن اور کھانا لیے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہورہی ہیں، جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوجائے تو اُن کو اُن کے رب کی طرف سے سلام کہیے اور میری طرف سے بھی، اور انھیں جنت کے اُس مکان کی بشارت دیجیے جو موتی کا بنا ہوگا جس میں نہ چیخ و پکار ہوگی نہ کوئی مشقت و مصیبت۔''

سبحان اللہ! اس مقدس خاتون کا کیا پوچھنا جسے خداے عزوجل اور جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطہ سے سلام کہیں اور جنت کی بشارت دیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہ اوصاف و مناقب اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجیت کے حقوق ادا کردینا ایسے نہ تھے جو قلبِ اقدسِ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں جگہ نہ کرتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی آپ سے بے پناہ محبت تھی۔ چناں چہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفاتِ شریفہ کا وقت قریب آیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کی بالیں (سرہانے) پر جلوہ افروز ہوئے، اپنے کرب و اضطراب اور آپ کی جدائی کی تکلیف کا اظہار فرمایا، جنت میں اپنے نکاح میں رہنے کی بشارت دی، جب وفات پاگئیں تو خود قبر میں رکھا اور وفات کے بعد بھی بہ کثرت آپ کی یاد فرماتے رہتے۔ ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا، وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ، ثُمَّ يُقَطِّعُهَا أَعْضَاءً، ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِي صَدَائِقِ خَدِيْجَةَ۔ (بخاری: الجزء رقم: ۵، الصفحۃ رقم: ۳۸، حدیث: ۳۸۱۸)

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ کثرت حضرت خدیجہ کی یاد فرمایا کرتے کبھی کبھی بکری ذبح فرماتے پھر اس کے حصے فرما کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کے یہاں ارسال فرماتے۔''

اعزہ اور قریب تر عزیز کی یاد کا کتنا پیارا طریقہ ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس کے

دوستوں اور سہیلیوں کو تحائف اور کھانے پینے کی چیزیں بھیج کر یاد باقی رکھی جائے، جن کے ساتھ وفات پانے والے کے تعلقات تھے۔ یہیں سے موجودہ رسم ''برسی'' وغیرہ کی گتھی بھی سلجھ سکتی ہیں۔ جن میں لوگ وفات پانے والے کی یاد میں اعزہ واحباب کو یاد کرلیا کرتے ہیں۔

ایک اور شَرَف سیدتنا ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ بھی حاصل تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام اولاد اطہار (سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو ام المؤمنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تھے) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا ہوئیں، لڑکوں میں حضرت قاسم، حضرت عبداللہ، حضرت طاہر اور لڑکیوں میں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین آپ کی اولاد امجاد سے ہیں۔

اس ذاتِ اقدس ام المؤمنین سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نکاح کے بعد ساری عمر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہوئے بعثت کے دس سال بعد ہجرت سے قبل مکۂ معظّمہ میں وفات پائیں اور مقام حجون (جنۃ المعلیٰ) میں مدفون ہوئیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا عنا۔

(ماہ نامہ مدنی تجلیات: ناگ پور، شمارہ اپریل مئی ۱۹۶۶ء، ص ۳۸)

☆☆☆

فضائل حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما: حدیث کے آئینے میں

امامین کریمین حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ذات ہائے گرامی ان گنی چنی عظیم ہستیوں میں سے ہیں جن کی فضیلت کا نمایاں باب حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان کے ساتھ غیر معمولی محبت وشفقت ہے۔ حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ذاتِ گرامی مجمعِ فضائل ہے۔ کتبِ حدیث کے ابوابِ فضائل ان دو حضرات کے فضائل سے گونج رہے ہیں۔ ان سب کی اس اختصار میں گنجائش نہیں، یہاں صرف چند حدیثیں نقل کی جاتی ہیں جن سے ان دو حضرات کی بارگاہِ رسالت میں مقبولیت اوران کے فضل وکمال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ : سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَيُّ أَهْلِ بَيْتِكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ ؟ قَالَ : "الْحَسَنُ، وَالْحُسَيْنُ". وَكَانَ يَقُولُ لِفَاطِمَةَ : "ادْعِي لِيَ ابْنَيَّ". فَيَشُمُّهُمَا، وَيَضُمُّهُمَا إِلَيْهِ۔ (ترمذی: الجزء رقم: ٦، الصفحۃ رقم: ١١٦، حدیث: ٣٧٧٢)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اہل بیت میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے فرمایا، حسن اور حسین۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتے ہیں کہ میرے دونوں بچوں کو میرے پاس لاؤ (جب دونوں بچے حضور کے پاس آتے) تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں کو سونگھتے اور اپنے گلے سے چمٹا لیتے۔ (ترمذی)

عَنْ أَبِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ: طَرَقْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي بَعْضِ الْحَاجَةِ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُشْتَمِلٌ عَلَى شَيْءٍ لَا أَدْرِي مَا هُوَ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْ حَاجَتِي، قُلْتُ: مَا هَذَا الَّذِي أَنْتَ مُشْتَمِلٌ عَلَيْهِ ؟ قَالَ: فَكَشَفَهُ فَإِذَا حَسَنٌ، وَحُسَيْنٌ عَلَى وَرِكَيْهِ، فَقَالَ : "هَذَانِ ابْنَايَ وَابْنَا ابْنَتِيَ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُمَا۔" (ترمذی: الجزء رقم: ٦، الصفحۃ رقم: ١١٤، حدیث: ٣٧٦٩)

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اپنی ایک ضرورت سے گیا (میں نے دیکھا) کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوئی چیز چادر میں چھپائے ہوئے ہیں۔ آپ نے (بغیر کچھ ارشاد فرمائے ہوئے) چادر ہٹادی تو اچانک اس میں حسن وحسین برآمد ہوئے (اس کے بعد) آپ نے فرمایا یہ دونوں میرے بچے اور میری لڑکی (فاطمہ) کے لڑکے ہیں۔ اے اللہ میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں تُو بھی انھیں

محبوب رکھ اور ان کو محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ : إِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا۔ (بخاری: الجزء رقم: ٦، الصفحۃ رقم: ١١٥، حدیث: ٣٧٧٠)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسن و حسین میرے (جنت) کے دو پھول ہیں دُنیا میں۔

عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: سَأَلَتْنِي أُمِّي: مَتَى عَهْدُكَ - تَعْنِي - بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقُلْتُ: مَا لِي بِهِ عَهْدٌ مُنْذُ كَذَا وَكَذَا، فَنَالَتْ مِنِّي، فَقُلْتُ لَهَا: دَعِينِي آتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأُصَلِّيَ مَعَهُ الْمَغْرِبَ، وَأَسْأَلُهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لِي وَلَكِ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الْمَغْرِبَ، فَصَلَّى حَتَّى صَلَّى الْعِشَاءَ، ثُمَّ انْفَتَلَ، فَتَبِعْتُهُ فَسَمِعَ صَوْتِي، فَقَالَ: "مَنْ هَذَا؟ حُذَيْفَةُ؟" قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: "مَا حَاجَتُكَ - غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلِأُمِّكَ؟"۔ قَالَ: "إِنَّ هَذَا مَلَكٌ لَمْ يَنْزِلِ الْأَرْضَ قَطُّ قَبْلَ هَذِهِ اللَّيْلَةِ، اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ أَنْ يُسَلِّمَ عَلَيَّ وَيُبَشِّرَنِي بِأَنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَأَنَّ الْحَسَنَ، وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔"

(ترمذی: الجزء رقم: ٦، الصفحۃ رقم: ١٢١، حدیث: ٣٧٨١)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کروں پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنے لیے اور تمہارے لیے دُعاے مغفرت کی درخواست کروں، پھر میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ میں نے مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی (عشاء کی نماز کے بعد) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے چلے، میں بھی حضور کے پیچھے ہولیا، میری آہٹ پا کر آپ نے فرمایا یہ کون ہے؟ حذیفہ! میں نے عرض کی، ہاں! تم کو کیا حاجت ہے؟ (ابھی حضرت حذیفہ کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود ہی ان کے مقصد کو پورا کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں) کہ خدا تمہاری ماں کی مغفرت فرمائے، دیکھو! ابھی یہ فرشتہ نازل ہوا ہے جو اس رات سے قبل زمین پر کبھی نہیں آیا تھا، اس نے اللہ سے اجازت حاصل کی ہے کہ وہ مجھے سلام کرے اور مجھے بشارت سنائی کہ فاطمہ جنت کی عورتوں کی اور حسن و حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔

عَنْ بُرَيْدَةَ ، قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُنَا، إِذْ جَاءَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلَيْهِمَا قَمِيصَانِ أَحْمَرَانِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ، فَنَزَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمِنْبَرِ فَحَمَلَهُمَا وَوَضَعَهُمَا بَيْنَ يَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ : " صَدَقَ اللهُ، {إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ }، نَظَرْتُ إِلَى هَذَيْنِ الصَّبِيَّيْنِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ، فَلَمْ أَصْبِرْ حَتَّى قَطَعْتُ حَدِيثِي وَرَفَعْتُهُمَا ۔"

(ترمذی: الجزء رقم: ٦، الصفحۃ رقم: ١١٧، حدیث: ٣٧٧٤)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دے رہے تھے، اتنے میں حسن وحسین سرخ قمیص زیب تن کیے ہوئے لڑکھڑاتے آتے ہوئے دکھائی دیے، انھیں دیکھ (کر) رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر سے نیچے اُتر آئے اور دونوں صاحبزادوں کو اُٹھا کر اپنے پاس سامنے بیٹھا لیا اور فرمایا اللہ نے سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں، ان دونوں بچوں کو لڑکھڑاتے آتے ہوئے دیکھ کر میں ضبط نہیں کر سکا اور خطبہ توڑ کر انھیں اُٹھالیا۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ ،قَالَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِيٍّ، وَفَاطِمَةَ، وَالْحَسَنِ، وَالْحُسَيْنِ: "أَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبْتُمْ، وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمْتُمْ ۔"

(ترمذی: الجزء رقم: ٦، الصفحۃ رقم: ١٧٤، حدیث: ٣٨٧٠)

ترجمہ: حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی، فاطمہ اور حسن وحسین کے لیے فرمایا کہ جو شخص ان سے جنگ کرے گا میں اس (سے) جنگ کروں گا اور جو ان سے صلح کرے گا میں اس سے صلح کروں گا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَامِلَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَى عَاتِقِهِ، فَقَالَ رَجُلٌ : نِعْمَ الْمَرْكَبُ رَكِبْتَ يَا غُلَامُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " وَنِعْمَ الرَّاكِبُ هُوَ ". هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَزَمْعَةُ بْنُ صَالِحٍ، قَدْ ضَعَّفَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

(ترمذی: الجزء رقم: ٦، الصفحۃ رقم: ١٢٣، حدیث: ٣٧٨٤)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسن کو اپنے کندھے پر اُٹھاتے ہوئے باہر تشریف لائے۔

ایک شخص نے دیکھ کر کہا میاں صاحبزادے جس پر تم سوار ہو وہ سواری کتنی اچھی ہے، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ سواری تو اچھی ہے ہی) یہ بھی تو دیکھو! کہ یہ سوار کتنا اچھا ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: صَلَّى أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الْعَصْرَ، ثُمَّ خَرَجَ يَمْشِي، فَرَأَى الْحَسَنَ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ، فَحَمَلَهُ عَلَى عَاتِقِهِ وَقَالَ: بِأَبِي شَبِيهٌ بِالنَّبِيِّ، لَا شَبِيهٌ بِعَلِيٍّ. وَعَلِيٌّ يَضْحَكُ. (بخاری: الجزء رقم: ۴، الصفحۃ رقم: ۱۸۷، حدیث: ۳۵۴۲)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن حارث سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل کر تشریف لے جارہے تھے اور آپ کے ہمراہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ راستہ میں حضرت حسن کو بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا (تو فرطِ محبت میں) حسن کو اپنے کندھے پر بیٹھا لیا اور فرمایا میرے ماں باپ قربان جائیں (یہ بچہ) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہم شکل ہے، علی کا ہم شکل نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہنس رہے تھے۔

عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ، أَنَّهَا دَخَلَتْ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي رَأَيْتُ حُلْمًا مُنْكَرًا اللَّيْلَةَ. قَالَ: وَمَا هُوَ؟ قَالَتْ: إِنَّهُ شَدِيدٌ. قَالَ: وَمَا هُوَ؟ قَالَتْ: رَأَيْتُ كَأَنَّ قِطْعَةً مِنْ جَسَدِكَ قُطِعَتْ وَوُضِعَتْ فِي حِجْرِي. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَأَيْتِ خَيْرًا، تَلِدُ فَاطِمَةُ إِنْ شَاءَ اللهُ غُلَامًا فَيَكُونُ فِي حِجْرِكِ. فَوَلَدَتْ فَاطِمَةُ الْحُسَيْنَ فَكَانَ فِي حِجْرِي كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَخَلْتُ يَوْمًا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهُ فِي حِجْرِهِ، ثُمَّ حَانَتْ مِنِّي الْتِفَاتَةٌ، فَإِذَا عَيْنَا رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُهْرِيقَانِ الدُّمُوعَ. قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ، بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، مَا لَكَ؟ قَالَ: أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ أُمَّتِي سَتَقْتُلُ ابْنِي هَذَا، فَقُلْتُ: هَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، وَأَتَانِي بِتُرْبَةٍ مِنْ تُرْبَتِهِ حَمْرَاءَ۔ (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)

ترجمہ: حضرت ام فضل بنت حارث (حضور کی چچی) رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور کہا یا رسول اللہ! رات میں نے ایک بھیانک خواب دیکھا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بیان کرو، کیا ہے؟ ام فضل نے کہا وہ سخت بھیانک خواب ہے (کہ مجھے اس کے بیان کرنے کی جرأت نہیں ہوتی) حضور صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوبارہ فرمایا، بیان کرو وہ کیا خواب ہے؟ (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصرار پر) ام فضل نے کہا کہ: میں نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے جسمِ اقدس کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈال دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارا یہ خواب اچھا ہے۔ ان شآء اللہ! فاطمہ کے یہاں لڑکا پیدا ہوگا جو سب سے پہلے تمہاری گود میں ہوگا۔ (ام فضل فرماتی ہیں کہ) اس کے بعد فاطمہ کے یہاں حسین پیدا ہوئے اور وہ میری گود میں تھے جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا پھر ایک روز حسین کو لے کر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حسین کو آپ کی گود میں دے دیا پھر یکا یک کیا دیکھتی ہوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ میں نے گھبرا کر عرض کیا، یا نبی اللہ! میری ماں باپ آپ پر قربان، آپ کو کیا ہوگیا ہے؟ سرکار نے فرمایا، ابھی میرے پاس جبریل علیہ السلام تشریف لائے تھے۔ انھوں نے مجھے خبر دی ہے کہ میری امت عنقریب میرے اِس فرزند (حسین) کو قتل کرے گی۔ میں نے تعجب سے پوچھا، اس کو؟ آپ نے فرمایا، ہاں اِسی کو۔ اور (مزید یقین کے لیے بطورِ نشانی) آپ نے مجھے حسین کے مقتل (قتل ہونے کی جگہ) کی سرخ مٹی مرحمت فرمائی۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم!

(ماہ نامہ مدنی تجلیات: ناگ پور، شمارہ اپریل مئی ۱۹۶۷ء، ص ۴۰)

☆☆☆

فلسفۂ شہادت

آدمی دُنیا میں اس لیے اور صرف اس لیے آیا ہے کہ اپنے کو بندہ سمجھے اور بندگی کی راہ پر قائم رہے، **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون**، ’میں نے جنات اور انسان کو صرف عبادت کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔‘ اس سے یہ مطلب نہیں کہ آدمی تجارت نہ کرے، نہ شادی بیاہ کرے، نہ حکومت کرے اور نہ سلطنت قائم کرے بلکہ تمام دُنیاوی علائق سے رشتہ ناطہ توڑ کر بالکل الگ تھلگ بیٹھ کر صرف نماز، روزہ وغیرہ عبادت ہی کرے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس وقت یہ چیزیں اس کے لیے صرف جائز نہیں واجب قرار پا جائے گی، لیکن بغیر مقصدِ عبدیت اور عبادتِ حق کے ان میں کسی چیز کی جانب توجہ کرنا اس کے لیے قطعاً حرام ہے۔

اسلام نام ہے اطاعتِ الٰہی کا اور اطاعت بھی کیسی ہمہ گیر اور نہایت ہی سخت قسم کی۔ مسلمان ہو جانے کے بعد انسان کی کوئی چیز بھی اپنی نہیں رہ جاتی، مسلمان کا نہ وقت اپنا ہوتا ہے نہ مال، نہ اولاد اپنی ہوتی ہے۔ حد یہ ہے کہ اس کی جان بھی اپنی نہیں، **ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم بان لھم الجنۃ** ’بے شک اللہ نے خرید لیا ہے مؤمنین سے ان کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے بدلے۔‘ یعنی مسلمان کی جان اور اس کا مال ہر چیز خدا کی ہو جاتی ہے، گویا اسلام کا کلمہ ایک طرح کا بیع نامہ ہے جس کے ذریعے مومن بندہ اپنی ہر شے اپنے مالکِ حقیقی کے نام بیع کر ڈالتا ہے اور قیمت محض اس کی رضا و خوشنودی لکھا لیتا ہے۔

اس بیع نامہ کی تکمیل کے بعد جب اس کے نفاذ کا وقت آتا ہے تو بہت سے انسان بزدل اور کمزور نکل جاتے ہیں اور اپنی کسی چیز کو اپنے قبضہ سے نکال کر خریدار کے حوالہ کرنے سے پس و پیش یا انکار کر دیتے ہیں۔ صرف چند ہی مردانِ خدا ایسے ہوتے ہیں جو پوری جرأت اور ہمت کے ساتھ اپنے عہد نامہ کی پابندی کو کمالِ سعادت اور اپنی تخلیق کی معراج سمجھتے ہیں۔ وہ اپنی قوت، اپنا وقت، اپنی اولاد سب کچھ راہِ حق میں پیش کر دیتے ہیں یہاں تک کہ سب سے زیادہ قیمتی شے یعنی اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں، گویا مسلسل ایثار و قربانی کے حیات آگیں نظام کا دوسرا نام اسلام ہے۔ اس نظام کا آخری سرا اور اس زنجیر کی آخری کڑی جان کا ایثار ہے اور اسی کا نام ”شہادت“ ہے، اس فلسفہ کو عملی طور پر سمجھنا ہے تو آیئے میدانِ کربلا کی سیر کریں۔

تاریخ گواہ ہے کہ وہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں آئے؟ میدانِ نینوا میں آئے۔ فرات کے ساحل پر آئے۔ اپنوں کو لے کر آئے۔ اپنی قوتوں کو لے کر آئے۔ اپنی شاہزادگی کی

طاقت و اعتماد کو لے کر آئے۔ نبی زادگی کے جلال کو لے کر آئے بلکہ خود اپنے زہد و تقویٰ، ولایت وکرامت کی قوتوں کو لے کر آئے۔ زبردستی نہیں بلکہ خوشی خوشی آئے۔ روکنے والوں نے روکا لیکن وہ ادائے امانت کے لیے بے تحاشہ امتحان کے میدان میں آئے۔ کیا وہ تخت وتاج کے لیے آئے؟ دُنیا کی ذلیل دولت کے حصول کے لیے آئے؟ لوگ کچھ بھی کہیں لیکن اہلِ علم جانتے ہیں اور تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفِ جنگ میں لاالہ اللہ سبحان اللہ وبحمدہٖ کا نعرہ لگا رہے تھے۔ پس کون نہیں جان سکتا ہے، وہ کس لیے آئے تھے اور کس کے سامنے آئے تھے؟ اور یہ لین دین کن دو ہستیوں کے درمیان تھا۔ ان پر پانی بند کیا گیا تو اس کی کوئی پروانہ کی۔ اعزہ کی گردنیں ان سے مانگی گئیں انھوں نے نذر کردیں۔ ننھے ننھے بچوں کا خون طلب کیا گیا، حاضر کردیا۔ تیروں کی بارش کی گئی اس کو بھی قبول کیا۔ جسم چھیدا گیا اور اُف تک نہ کیا۔ جسمِ مبارک پر تلوار ماری گئی۔ تنِ اقدس سے سرِ مبارک جدا کیا گیا پھر بھی انکار نہیں کیا۔ ان کی عزت و ناموس پر حملہ کیا گیا اس کو بھی برداشت کیا۔ یوں کہیے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو کچھ دیا گیا تھا، ہنستے ہوئے چہرہ اور مسکراتے ہوئے لبوں کے ساتھ انھوں نے سب کو واپس کردیا اور اَن تُؤَدوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا کی ایک عملی اور ابدی تفسیر جریدۂ عالم پر ثبت فرمادی، نہ اتنا کسی کو ملا نہ اتنا کسی نے دیا۔ اس شخص کی نعمتوں کا کون اندازہ کرے جو خدا کا محبوب تھا۔ جو نبی کا پیارا تھا۔ ان کے کاندھے پر کھیلنے والا تھا۔ جو پشتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سوار تھا۔ جو لب ہائے محبوبِ خدا کی بوسہ گاہ تھی۔ کیا آفتاب اس کے حکم کا منتظر نہ تھا۔ زمین اس کے آگے جھکی ہوئی نہ تھی۔ فرشتے کیا اس کے حکم سے سرتابی کرسکتے تھے۔ فرات اس کا نہ تھا تو پھر کس کا تھا۔ کیا وہ فرات کو اپنے قدموں میں نہ لاسکتا تھا۔ کیا یزیدی سپہ سالار اور اس کی فوج کو ایک پھونک سے پرِ کاہ کی طرح نہ اُڑا سکتا تھا؟ وہ سب کچھ کرسکتا تھا، لیکن مشیتِ الٰہی کچھ اور تھی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خون کے فوارے بہا کر ہزاروں مصائب وتکالیف سے گزر کر انسانوں کی ایک جماعت تیار کی تھی۔ جس کے پاس صاف سینہ، پاک دل، مقدس روح، عمیق علم، مستقیم عقل کی دولت تھی۔ یہ ایسی پختہ، مستحکم اور غیر متزلزل جماعت تیار ہوئی تھی کہ اس کے بعد یہ اُمید بے محل نہ تھی کہ جو نسلیں ان سے نکلیں گی ان میں کمالات وفضائل کے جواہر قیامت تک چمکتے رہیں گے کہ یکایک بنوامیہ کے گھرانے میں وہ بچہ پیدا ہوا جس نے اجسام کو قابو میں لاکر عقلوں پر قبضہ جمایا۔ بالآخر یہ اندیشہ پیدا ہوگیا (کہ) کہیں قلوب وارواح بھی ''نبوتِ کبریٰ'' کے قائم کیے ہوئے مرکزِ ثقل سے ہٹ نہ جائے، خصوصاً جب کہ ان میں ابن زیاد، عمر وسعد اور شمر پیدا ہوئے تھے۔ کیسا

خطرناک وقت، کتنی سخت گھڑی تھی کہ درخت کی شاخوں کو نہیں بلکہ اس کی جڑوں کے ہِل جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

اب سوال تھا ایسے وقت میں کیا کیا جاتا؟ کیا یزید کی گردن اُڑا دی جاتی ؟ یزید کی گردن اُڑا دینے سے یزید تو مرجاتا لیکن وہ، ان کی فکر کیسے مرجاتی جس کا وزن اُمت کے دل پر، دماغ پر، عقل پر پڑ رہا تھا۔ شاہی طاقت پہلے جسموں کو جھکاتی ہے پھر رفتہ رفتہ اس کا دباؤ عقل پر پڑ جاتا ہے۔ عقلی دباؤ کے ساتھ دل بھی جھک جاتا ہے۔ جس کے جھک جانے کے بعد ہر چیز بھی جھک جاتی ہے۔ آخر جب دل ہی جھک گیا تو انسان میں اور کون سی چیز باقی رہ جاتی ہے، جو نہ جھکے، جذبات، خیالات، حرکات، سکنات سب کے سب ان سیاسی بازی گروں کی انگلیوں پر ناچتے ہیں جن کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور ہوتی ہے۔

انسانیت کے لیے سب سے بڑی مصیبت اس وقت ہوتی ہے جب ان بازی گروں کے باطن میں خیانت و شرارت کے عناصر غالب ہوتے ہیں کہ اس وقت صرف وہی خبیث نہیں ہوتے بلکہ وہ ساری روحیں جو ان کے سیاسی پنجوں میں گرفتار ہوتی ہیں۔ سب کی سب گندی اور ناپاک ہوجاتی ہیں۔ یہی حال اس یزیدی دور کا تھا۔ یہی خدا کی طے شدہ حکمت تھی کہ مسلمانوں میں جو سب سے بڑا تھا، ان میں سب سے زیادہ پیارا تھا وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حجرے سے نکلا اور بجائے یزید کے خود اپنے گلوے مبارک پر خنجر چلوایا۔ سرِ مبارک تن سے جدا ہوا کہ مسلمانوں کے مسخر قلوب، ان کی مسحور عقلیں، ان کا سویا ہوا دماغ یکا یک یزید کے عقلی اور ذہنی دباؤ سے علاحدہ ہو گیا۔ بہ ظاہر یزید زندہ رہا لیکن اس کی روح مر گئی۔ اس کی خباثت فنا ہو گئی اور یہی مقصد بھی تھا، نانا کی کپکپاتی ہوئی دیوار کو کون سنبھالتا؟ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر نہ سنبھالتے تو پھر کس کا جگر تھا کہ اس میدان میں اُترتا اور دیوار کی ہلی ہوئی چٹانوں کو اپنے خون سے مضبوطی کے ساتھ جما دیتا ؎

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے ۔۔۔ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

جب یزید کی روح زندہ تھی تو اس سے کوفیوں کی فوج پیدا ہوئی اور جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جامِ شہادت نوش فرما لیا اور ان کو حیاتِ جاوید بخشی گئی تو دیکھو اسی کوفہ سے امام ابراہیم نخعی، امام ابوحنیفہ، امام شعبی رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین جیسے اکابر روحانین نکلتے چلے آئے اور صرف کوفہ ہی کیا کربلا کے بعد جو بھی آئے اور جہاں بھی آئے بڑی شان سے آئے۔ جنید بن کر آئے۔ شافعی اور مالکی کی شکل میں نمودار ہوئے۔ سفیان ثوری کے لباس میں آئے۔ یہ سب اسی کی ہمتِ مردانہ کا نتیجہ

تھا۔افسوس ہے کہ دُشمنانِ اسلام کی سحر انگیزیوں سے مسحور ہوکر خود ہمارے گھروں میں تو جہری شہادت کو سِرّ ی شہادت کے درجہ سے گرانا چاہتے ہیں۔اب وہ مشورہ دیتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔پچپن سال کے بزرگ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کربلا نہیں جانا چاہیے تھا۔ان مسخروں سے کوئی پوچھے کہ انھوں نے پھل پر اعتراض کیا ہے تو کیا درخت ان کی زبانی برچھیوں سے محفوظ رہا؟ پھل اور کیسا پھل؟ جس نے خاتونِ جنت (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی گود میں پرورش پائی۔حیدرِ کرار (کرم اللہ وجہہ الکریم) کی نگرانی میں ہوش سنبھالا۔جس پر دُنیا کے سب سے بڑے پیغمبر رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی رحمتِ خاص تھی۔جن کو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے پیار کے ساتھ وہ سب کچھ سکھایا جو ان کے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھا تھا۔جن پر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہ اپنے بچوں سے زیادہ تھی۔حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو دُنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھے اور تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی آنکھوں کے نور۔

افسوس ہے تم پر کہ تم کو کسی اور عقل میں تاریکی نظر نہ آئی کسی اور کے اخلاق میں ہٹ اور ضد کی جرأت تمھیں معلوم نہیں ہوئی اور معلوم ہوئی تو کہاں معلوم ہوئی۔

اس میں جس نے پچپن سال تسلیم ورضا میں خاموشی سے گزار دیے۔جو شاہزادۂ کونین ہیں۔جو راکبِ دوشِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔امام کی عظمت کو کون سمجھ سکتا ہے؟ اس بلند مینارے پر کس کی نظر پہنچ سکتی ہے؟ ایسی ہمہ گیر ہر دل عزیزی کس کے حصہ میں آسکتی ہے کہ اس کا انتقام دُنیا صدیوں سے لے رہی ہے اور اب تک انتقام پورا نہیں ہوا ہے۔قرنوں سے نفرت کی موسلا دھار بارش یزید اور اس کے ساتھیوں پر ہو رہی ہے لیکن تشنگی نہیں بجھ سکی۔جس طرح پہلی صدی ہجری میں یزید کے اعمال سے بیزاری ظاہر کی گئی۔آج تک وہ بیزاری اسی انداز کے ساتھ قائم ہے۔کتنا گہرا، کتنا پختہ رنگ اے خونِ حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تُو نے پیدا کیا اور شہادت کی حکمتوں کو دُنیا کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔

(ماہ نامہ مدنی تجلیات: ناگ پور، شمارہ اپریل مئی ۱۹۶۷ء، ص ۱۰)

☆☆☆

قربانی

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب دُنیا میں تشریف لائے تو اس طلسمی کارخانے کی اشرف المخلوقات کا انداز ہی بدلا ہوا پایا۔ جو ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہو رہا تھا اور جو کچھ نہیں ہونا چاہیے تھا وہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ انسان جس کی تخلیق کا مقصد و معیار انتہائی بلند اور پاکیزہ ہے۔ وہ بلند فطرت انسان اتنا پست اور گندہ ہو چکا تھا کہ اس کے سامنے ہر چیز اچھی اور اونچے مقام والی دکھائی دے رہی تھی۔ پستی کا یہ عالم تھا کہ دُنیا کی پست سے پست، ذلیل سے ذلیل چیزوں کو مسجود و معبود تسلیم کر لینا کوئی بات نہ تھی۔ غرض کہ پوری قوم مختلف الانواع باطل خداؤں کی غلط محبت اور اندھی عقیدت میں مبتلا تھی۔ ان خود ساختہ خداؤں کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر کسی نے کوئی لفظ کہنے کی جرأت کی تو اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا۔

اس نازک اور پُرخطر دور میں اللہ کے خلیل نے آنکھ کھولی، چوں کہ آپ کا پاکیزہ دل نورِ نبوت سے معمور تھا۔ معرفتِ الٰہی میں سرشار تھا۔ اس میں صرف ایک ہی ''الٰہ'' کی محبت، معرفت، عقیدت اور توحید رچی بسی تھی۔ وہ مبارک دل قوم کی اس بے راہ روی اور غلط کاری کو دیکھ تڑپ اُٹھا۔ مردِ مجاہد یکہ و تنہا مستقبل میں پیدا ہونے والے تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر اپنی قوم کی اصلاحِ حال کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا اور موثر طرزِ تبلیغ کے ذریعے لوگوں کے دلوں سے ان معبودانِ باطل کی دیرینہ محبت و عقیدت کو دور کرنے کی کوشش میں لگا رہا۔

ایک روز قوم کو ستارہ پرستی میں مشغول دیکھ کر فرمایا: ''ارے یہ کیا کر رہے ہو؟''

قوم نے کہا: ''ابراہیم تمھیں معلوم نہیں ہم اپنے خدا کی عبادت کر رہے ہیں۔''

حضرت خلیل نے حیرت سے فرمایا: ''کیا تم ان ستاروں کو میرا رب بتاتے ہو؟ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔''

جب ایک ایک کر کے سب ستارے ڈوب گئے اور ان باطل خداؤں کی فریب کارانہ چمک دمک فنا و حدوث کی نذر ہو گئیں تو اللہ کے خلیل نے صاف لفظوں میں فرما دیا: ''میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

پھر دوبارہ آپ نے قوم کو ملاحظہ فرمایا کہ وہ چاند کے آگے نیازمندانہ ہاتھ جوڑے ہوئے کھڑی ہے۔ آپ نے سوال فرمایا: ''چاند کے لیے یہ نیازمندی کا مظاہرہ کیسا؟''

قوم نے کہا: ''ابراہیم! یہ ہم سب کا خدا ہے۔''

جناب ابراہیم نے پھر تعجب سے فرمایا: ''ارے کیا تم اس چاند کو میرا رب ٹھہراتے ہو۔''

تھوڑی دیر بعد شان وشوکت کے ساتھ چمکنے والا یہ دیوتا بھی افقِ مغرب میں روپوش ہو گیا۔ آپ نے قوم کو للکار کر فرمایا: ''مجھے میرا رب اگر ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انھیں گمراہوں میں ہوتا۔''

پھر دن نکلا اور اس قوم کا سب سے بڑا دیوتا ''سورج'' پوری آب وتاب اور شان وشوکت کے ساتھ نظروں کو خیرہ کرنے والی ہزارہا کرنوں کو اپنے جلو میں لیے ہوئے افقِ مشرق سے نمودار ہوا۔ قوم نے اس کے سامنے بھی اپنی جبینِ نیاز کو جھکا کر بندگی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) وہیں بول اُٹھے: ''اسے میرا رب کہتے ہو؟''

یہ تو ان سب سے بڑا ہے، مگر اس کی خدائی بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی اور شام ہوتے ہی یہ بڑے صاحب بھی رات کی سیاہ چادر میں اپنا منہ چھپائے غائب ہو گئے۔ اب اس کے بعد آسمانی دُنیا کے تمام باطل خداؤں کی خدائی کی حقیقت ظاہر ہو چکی تھی۔ قوم کے پاس اب اور کوئی ایسا خدا نہیں تھا جس کو اللہ کے خلیل کے سامنے پیش کرتی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت نفیس اور دل نشین انداز میں اپنی قوم کو ان نظر و استدلال کی طرف رہنمائی فرمائی جس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچ سکیں کہ عالم تمامہٖ حادث ہے ''الٰہ'' نہیں ہوسکتا، وہ خود موجد اور مدبر کا محتاج ہے۔ جس کی قدرت واختیار سے اس میں تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے، اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ ستاروں میں چھوٹے سے بڑے تک کوئی بھی رب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ان کا ''الٰہ'' ہونا باطل ہے اور قوم جس شرک میں مبتلا ہے اس سے بیزاری کا اظہار انتہائی جرأت مندانہ طریقہ پر فرمایا: ''اے قوم! میں ان سب چیزوں سے بیزار ہوں جنھیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔''

اس کے بعد دینِ حق کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: ''اے میری قوم کے لوگو سنو! میں تمھیں اپنا آخری فیصلہ سناتا ہوں کہ میں نے اپنا منہ اس طرف کیا جس نے آسمان وزمین بنائے ایک اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ ایک دعویٰ تھا جس سے ان کے آہنی عزم اور صبر آزما ذہنیت کا بخوبی اندازہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن دعویٰ امتحان سے ثابت ہوتا ہے اور علم وعمل سے پختہ ہوتا ہے۔ لہٰذا امتحان لیا گیا۔ عمل کے لیے حکم ہوا۔ سلطنت سے ٹکراؤ۔ وہ ٹکرا گئے۔ حکم ہوا آگ میں پھاند جاؤ۔ وہ پھاند گئے۔ اشارہ ہوا گھر چھوڑ دو۔ چھوڑ دیا۔ کہا گیا قحط اور گرانی کی مصیبت اُٹھاؤ۔ انھوں نے اُٹھالی۔ امتحان کے اس میدان میں اپنے ناموس اور اپنی آبرو سے دست برداری کا مطالبہ کیا گیا وہ اس پر بھی

راضی برضا ہو گئے:

وَإِذِ ابْتَلَىٰٓ إِبْرٰهِمَ رَبُّهُۥ بِكَلِمٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ (سورۃ البقرہ: ۱۲۴)

'ابراہیم کو ان کے رب نے کئی باتوں سے آزمایا تو انھوں نے اس کو پورا کر دکھایا۔'

اس قسم کی ایک دو نہیں، سیکڑوں سخت سے سخت امتحانات کی منزلوں سے جناب حضرت خلیل کو گزرنا پڑا۔ مگر ۸۵ رسالہ امتحان کی اس طویل مدت میں کبھی بھی زبان سے اُف نہ نکلا۔ پیشانی پر بل تک نہیں آیا۔ گویا زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے اس مدت کو گزار دیا ؎

عیش دو یا غم بہر صورت تمہارا شکریہ
ہے یہی کیا کم کہ سمجھا تُو کسی قابل مجھے

ان کئی سخت امتحانات کے بعد ایک اور سخت مطالبہ کیا جاتا ہے جو ان سب سے کہیں زیادہ مشکل، کٹھن، دُشوار اور صبر آزما ہے۔ صاحبِ اولاد سوچیں کہ آج ابراہیم سے ان کی آنکھیں نہیں بلکہ آنکھوں کی ٹھنڈک، دل نہیں بلکہ دل کا چین، جگر نہیں بلکہ جانِ جگر، جان نہیں بلکہ راحتِ جان، خود جنابِ ابراہیم کو نہیں بلکہ اس اکلوتے بیٹے کو طلب کیا جا رہا ہے جو وارثِ رسالت و نبوت ہے۔ بڑھاپے کا آخری سہارا ہے۔ جس کو حضرت ابراہیم نے بڑی آرزوؤں اور تمناؤں کے بعد حاصل کیا تھا۔ جس کے لیے شب و روز بارگاہِ ایزدی میں دُعائیں اور التجائیں کیا تھا رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ (سورۃ الصّٰفّٰت: ۱۰۰) الٰہی مجھے ایک لائق اور صالح فرزند عطا فرما۔ جس کی عظمت کا یہ عالم کہ دُنیا میں آنے سے پہلے ہی اس قادر و قیوم بے نیاز مولیٰ نے اس کی آمد کی بشارت سنائی فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ (سورۃ الصّٰفّٰت: ۱۰۱) تو ہم نے اسے بشارت دی ایک عقل مند لڑکے کی۔ جس کی پیشانی میں نورِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی مقدس امانت تھی۔ جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو دُنیا کی ہر چیز سے عزیز تھا۔

گھر سے بے گھر ہونا۔ اپنے آپ کو آگ میں جھونک دینا۔ اپنے ناموس سے دست بردار ہو جانا۔ قحط سالی کی مصیبت برداشت کرنا۔ بجائے خود مشکل اور بہت مشکل ہے۔ لیکن اسماعیل جیسے ۱۵ رسالہ نوجوان اکلوتے بیٹے کو اپنے ہی ہاتھوں ذبح کرنا کتنا مشکل اور کٹھن کام ہے اس کا ذہنِ انسانی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن حضرت خلیل کی خلت اور ان کا جذبۂ ایثار اس کو کب گوارا کر سکتا تھا کہ اشارۂ محبوب ہو اور وہ اس میں تامل کریں۔

خواب میں اشارہ کیا جاتا ہے کہ ابراہیم! اپنے ہاتھوں اپنے لختِ جگر نورِ نظر اسماعیل کو ہماری

راہ میں قربان کردو۔اشارہ پاتے ہی پیکرِ تسلیم و رضا مجسمۂ أَوَّاهٌ حَلِيمٌ ابراہیم اُٹھے اور بیٹے کی قربانی کا غیر متزلزل عزم لے کر اُٹھے۔ اللہ کے خلیل کے قلب پاک میں ذرہ برابر بھی تردد نہیں تھا۔مگر بیٹے کی مرضی بھی معلوم کرلینی ضروری تھی۔ اس لیے پدرِ بزرگوار نے فرزندِ سعید سے اپنے عزم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

يٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرٰى فِي الْمَنَامِ (سورۃ الصّٰفّٰت:۱۰۲)

بیٹا! میں نے تمھیں خواب میں ذبح کرتے ہوئے دیکھا ہے بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔

سعادت مند بیٹے نے باپ کے عزم و استقلال کو دیکھ کر بڑی فراخ دلی کے ساتھ جواب دیا:

يٰٓأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۔ (سورۃ الصّٰفّٰت:۱۰۲)

والدِ محترم! آپ کو جو خدا کی جانب سے حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کیجیے ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔

جناب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے چھری لی اور بیٹے کو لے کر وادیِ منیٰ میں اس آخری اور عظیم امتحان کے لیے پہنچ گئے۔دونوں راضی بہ رضا ہیں فَلَمَّآ أَسْلَمَا فرزند کو ماتھے کے بل زمین پر لٹادیا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ اور چھری تیزی کے ساتھ گلے پر پھیر دی۔ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے جناب حضرت خلیل کے ایثار کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ان فرشتوں کو آج عملی طور پر معلوم ہوگیا کہ واقعی خلافتِ الٰہیہ اور امامتِ کبریٰ کا مستحق انسان اور صرف انسان ہے۔اس لیے کہ اس امانت کے بارِ عظیم کو اُٹھانے کے لیے مخلوقات میں سے ہر ایک کو آواز دی گئی، لیکن ہوا کیا؟ اس آواز کو سنتے ہی آسمان لرز گیا۔زمین کو تپ لرزہ چڑھ گئی۔ پہاڑ اپنی جگہ دم بخود کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔دریا اور سمندر پر سکتہ کا عالم طاری ہوگیا۔فرشتوں نے اپنی کم علمی کا عذر پیش کیا۔غرض کہ کوئی بھی اس آواز پر لبیک کہنے کی جرأت نہ کرسکا ۔اگر کوئی دل و جگر رکھنے والا حوصلہ مند نکلا تو وہ صرف انسان تھا۔جس نے بڑھ کر خدا کی اس مقدس امانت کے بارِ عظیم کو اپنے ناتواں کندھوں پر اُٹھالیا۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ (سورۃ الاحزاب:۷۲)

ہم نے اپنی امانت کو آسمان، زمین اور پہاڑ کے سامنے پیش فرمایا تو انھوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کردیا اور اس سے ڈر گئے پھر اس امانت کو انسان نے اُٹھالیا۔

یہ وہی انسان ہے کہ ابتداے آفرینش میں جس کے متعلق فرشتوں نے کہا تھا وَيَسْفِكُ

الدِّمَاءَ کہ مولیٰ! کیا تُو ایسے لوگوں کو اپنی خلافت اور عالم کی امامتِ کبریٰ کا منصب جلیل عطا فرمائے گا جو دُنیا میں جانے کے بعد زمین میں خوں ریزی کریں گے اس وقت رب العالمین نے یہ فرما کر انھیں خاموش کر دیا تھا:

إِنِّيٓ أَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُونَ (سورۃ البقرہ: ۳۰)

اے فرشتو! جو کچھ میں جانتا ہوں تمھیں نہیں معلوم ہے۔

آج وادیِ منیٰ میں حضرت خلیل و اسماعیل کے وفادارانہ اور ایثارانہ طرزِ عمل سے إِنِّيٓ أَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُونَ کی عملی تفسیر پیش کر کے بتایا جا رہا ہے کہ اے فرشتو! آؤ اور سب آؤ، دیکھو اور خوب اچھی طرح دیکھو اس حیرت کدۂ عالم میں ایسا دل دوز اور حیرت انگیز منظر تم نے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ سرزمینِ منیٰ پر آج انسان پیکر خلیل اور شکلِ اسماعیل میں اسفاک دم اور خوں ریزی کا عجیب و غریب محیر العقول انداز اختیار فرما کر خلافتِ الٰہیہ اور امامتِ کبریٰ پر اپنا استحقاق جتا رہا ہے۔

اللہ اللہ! ان مشکل اور دُشوار گزار مرحلوں سے گزرنے کے بعد وہ بھی ایک دو نہیں نوے سال کی طویل مدت کے بعد بھی حضرت خلیل میں وہی جوانی کا عزم تھا۔ جوش تھا۔ اُمنگ تھی اور زبان پر وہی جوانی کا حوصلہ مندانہ پُر جوش نغمہ جاری تھا:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحۡيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُۥۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرۡتُ وَأَنَا۠ أَوَّلُ ٱلۡمُسۡلِمِينَ (سورۃ الانعام: ۱۶۳ / ۱۶۴)

میری عبادت، میری قربانیاں، میرا جینا، میرا مرنا، سب کچھ اس اللہ کے لیے ہے، جو سارے جہان کا رب ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں تم میں کا سب سے پہلا خدا کا فرماں بردار بندہ ہوں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے تعمیل حکم میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی اور فَلَمَّآ أَسۡلَمَا کی منزل سے گزر کر وَتَلَّهُۥ لِلۡجَبِينِ کی منزل میں پہنچ کر بیٹے کی گردن پر چھری چلا دی تو اس بے نیاز مولیٰ نے جناب ابراہیم کے ایثار و قربانی کو قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَٰٓإِبۡرَٰهِيمُ قَدۡ صَدَّقۡتَ ٱلرُّءۡيَآۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجۡزِي ٱلۡمُحۡسِنِينَ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ ٱلۡبَلَٰٓؤُاْ ٱلۡمُبِينُ (سورۃ الصّٰفّٰت: ۱۰۴ / ۱۰۵ / ۱۰۶)

اے ابراہیم! تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا (ہم نے تمہاری قربانی قبول کی اگرچہ قربانی نہیں ہوئی) ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک یہ ایک عظیم الشان امتحان تھا۔

اور ہم نے تمہارے لخت جگر کو ذبح ہونے سے بچالیا۔ یہ جنت کا جانور حاضر ہے اس کے عوض، اس کی قربانی کرو، اور ہم تمہارے اس عظیم اور قابل قدر ایثار کی انمٹ یادگار قیامت تک لوگوں میں باقی رکھیں گے۔

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ (سورۃ الصّٰفّٰت:۱۰۷/۱۰۸)

اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے کر اسے بچالیا اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی۔

قربانی کیا ہے؟ اسی ذبحِ عظیم اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے بے مثل ایثار کی یادگار ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا: ''یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟''

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔''

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''قربانی جہنم سے آڑ ہے۔ قربانی کرنے والے کو قیامت کے روز پل صراط پار کرنے کے لیے سواری ملے گی۔ قربانی کے جانور کے خون کا ہر قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے مقبولِ بارگاہ ہوجاتا ہے۔ قربانی کے جانور کے ہر بال کے عوض قربانی کرنے والے کو ثواب ملے گا۔'' (حدیث)

ان احادیث پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ قربانی کا عمل حصولِ تقرب و اکتسابِ کمال و تقویٰ کا بہترین اور مؤثر ذریعہ ہے۔ قربانی سے یہ احساس بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ جان و مال اور اہل و عیال جس کو، کہ ہم نادانی سے اپنا سمجھے ہوئے ہیں دراصل ہماری مِلک نہیں ہے بلکہ یہ سب اس مالکِ حقیقی کی ملکیت وتصرف میں ہے، جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا اور خاص کر مسلمانوں کی جان اور ان کا مال تو اللہ نے جنت کے عوض خرید لیا ہے۔ بھلا بِکی ہوئی چیز کب اپنی رہی:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

(سورۃ التوبہ:۱۱۱)

بے شک اللہ نے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔

لہٰذا خدا کی راہ میں اپنی جان و مال اور اہل وعیال کی قربانی میں کسی وقت کوئی تامل نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اِدھر اللہ کا حکم ملے اور اُدھر ہم تعمیل کر دکھائیں۔ یہ ''تقویٰ'' کا انتہائی مقام ہے۔ اسی

حقیقت کی طرف سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے طرزِ عمل سے ہماری رہنمائی فرمائی ہے:

سَلٰمٌ عَلٰٓى إِبْرٰهِيْمَ ۔(سورۃ الصّٰفّٰت:۱۰۹)

اگر کوئی کہتا ہے کہ جب ''قربانی'' سے حصولِ تقرب اور اکتسابِ تقویٰ مقصود ہے تو جانوں کی قیمت خدا کی راہ میں خرچ کر کے بھی اس مقصد کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بے زبان جانوروں کا خون بہانے کی کیا ضرورت؟

تو میں کہوں گا کہ ''خوشبو'' کی مختلف قسمیں اپنے اپنے محل ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اگر کوئی مسخرہ گلاب کی خوشبو چنبیلی سے اور چنبیلی کی خوشبو کو جوہی سے حاصل کرنا چاہے تو لوگ اسے دیوانہ کہیں گے اور وہ اپنے مقصد میں ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح ''تقویٰ'' ایک جامع لفظ ہے اور اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ہر ایک قسم کو حاصل کرنے کے لیے الگ الگ شعبے ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ، قربانی بھی انھیں شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔ اس کے ذریعہ تقویٰ کی ایک خاص صفت حاصل ہوتی ہے جو صرف قربانی ہی کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے، صدقۂ مالیہ کے ذریعہ اس مخصوص صفت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے گلاب کے پھول سے چنبیلی کی خوشبو حاصل کرنے کی سعیِ ناکام کرنا جو یقیناً انصاف و دیانت کے خلاف ہے۔

پھر جس طرح ہر خوشبو کا ایک خاص موسم ہوتا ہے جس میں وہ خوشبو نسبتاً زیادہ محبوب و مرغوب ہوتی ہے اور دوسری خوشبو کا خوشبو ہونا اپنی جگہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر عبادت اور عمل کے لیے ایک وقت اور موسم ہے، جس میں اس عمل کی قدر و منزلت نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''قربانی کے دنوں میں بنی آدم کے اعمال میں قربانی سے زیادہ پسندیدہ عمل خدا کی بارگاہ میں کوئی دوسرا عمل نہیں ہوتا۔''

لوگ کہتے ہیں ''قربانی'' کا عبادت ہونا اور اس پر ثواب کا ملنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ تو ''جیو ہتھیا'' (جاندار کا قتل) ہے۔ بے زبان جانوروں کے ساتھ سراسر ظالمانہ اور سفاکانہ برتاؤ ہے جو اسلامی قانون کے خلاف ہے۔ لہٰذا ''مارنا چھوڑ دو۔''

یہ کہنا تو آسان ہے کہ ''مارنا چھوڑ دو'' لیکن کیا یہ ممکن ہے؟ بلاشبہ مرنے میں بڑی اذیت ہوتی ہے۔ خود مرے یا دوسرا مارے، نزعِ روح کی تکلیف دونوں میں مشترک ہے۔ ''موت'' کا لفظ ہی بھیانک، کتنا دہشت آگیں اور اذیت ناک ہے۔

لیکن یارو! ذرا سوچو تو سہی کہ جب ''وطن عزیز'' پر دُشمنوں کی فوج حملہ آور ہوتی ہے اور ہر طرف جنگ کے خطرناک شعلے بھڑکنے لگتے ہیں تو اس وقت مادرِ وطن کی محبت نوجوانانِ وطن کے دلوں میں انگڑائی لیتی ہے اور وہ اپنے خون سے چمنستانِ وطن کی آبیاری کا سامان کرتے ہیں، اپنی جوانی کی کیف آور بہاروں کو لٹا کر اپنے چمن کو خزاں رسیدہ ہونے سے بچا لیتے ہیں، آج وہی سخت ترین ''موت''، ''مدرلینڈ'' کے منتر سے آسان ہوگئی۔ موت کے تلخ و تیز جام میں جب ''حبِ وطن'' کا چھینٹا شامل ہوگیا تو وہ کتنا خوش گوار بن گیا۔ ''تم قوم اور وطن کے لیے ہو۔'' اس پیارے نغمے نے موت کی اذیت ناکی کو ختم کر کے موت کا آرزومند بنا دیا۔

''حبِ وطن'' کے منتر سے موت کی کلفت جب لذت بن جاتی ہے۔ قوم کے نام سے موت کا پیالہ امرت بن جاتا ہے تو پھر یہ لوگ کیوں نہیں سوچتے کہ وطن اور قوم جس کے لیے ہے۔ آسمان و زمین جس کے لیے ہے۔ ذرے سے لے کر آفتاب تک جس کے لیے ہے لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (سورۃ البقرۃ: ۲۸۴) (جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کے لیے ہے) اس کے مقدس نام سے موت کی مشکل کو حل اور اس زہر ہلاہل کو ساغرِ مُل بنایا جا سکتا ہے۔ ان مرنے والوں کو ذبح سے پہلے کون سا نغمہ سنایا جاتا ہے یہی تو بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَر اے خوش نصیب تجھے اللہ کے نامِ پاک پر قربان کیا جا رہا ہے جو سب سے بڑا ہے۔

یہ بے زبان جانور بھی اپنے خالق و مالک کو خوب اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اس کے گن گاتے ہیں۔ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (سورۃ بنی اسرائیل: ۴۴) لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

(ماہنامہ مدنی تجلیات: ناگ پور، شمارہ اپریل مئی ۱۹۶۶ء، ص ۱۸)

☆☆☆

شب براءت اور دعوتِ عمل

لوگو! تم عقل وخرد کے بیش بہا جوہر سے سرفراز کیے گئے ہو۔ کھرے کھوٹے اور نیک و بد میں فرق وتمیز کی قوت وصلاحیت رکھتے ہو۔ سچ کو سچ، جھوٹ کو جھوٹ، اُجالے کو اُجالا اور اندھیرے کو اندھیرا ہی جانتے ہو، سمجھتے بھی ہو اور کہتے بھی ہو۔ برخلاف اس کے اگر تم سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ سے، اُجالے کو اندھیرے سے اور اندھیرے کو اُجالے سے تعبیر کرو تو یہ ممکن ہے کہ کوئی ''یتیم العقل'' تمہاری اس غلط تعبیر کو مان لے، لیکن کیا خود تمہارا دل اس کو تسلیم کرے گا؟ ہر گز نہیں، کیوں کہ تم جانتے ہو کہ یہ تعبیر سراسر دھاندلی اور خلافِ واقعہ ہے۔

تو پھر کیوں؟ تم اچھائی کے روئے روشن سے آنکھیں چرا کر برائی کے سیاہ فام چہرے پر نظریں جمائے ہو۔ کھرا چھوڑ کر کھوٹا بننے کی فکر میں کیوں ہو؟ روشنی کو تاریکی اور تاریکی کو روشنی کہنے پر کیوں تلے ہوئے ہو جب کہ خود تمہارا دل تمہاری زبان سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

تم جانتے ہو کہ نادانی کہ بنا پر غلطی کر لینے کو نظر انداز تو کیا جاسکتا ہے لیکن دانستہ غلطی کا ارتکاب جرمِ عظیم، نا قابلِ معافی اور لائق سرزنش ہوتا ہے۔ باوجود اس کے تم جانتے بوجھتے بھی اپنے پالنہار اور محسن کی نافرمانیوں میں ڈوبے ہوئے ہو اور اس کے احساناتِ عظیمہ کو فراموش کر بیٹھے ہو۔

حالاں کہ زمانے کے ہر لمحے اور وقت کے ہر تقاضے کے ساتھ اس کا دل نشین اندازِ فہمائش تمہاری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ بشرط یہ کہ تم اس کو سنو اور اس پر سنجیدگی سے غور کرو، دیکھو وہ کیا فرما رہا ہے:

وَأَنِيبُوٓا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُۥ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ (سورۃ الزمر: ۵۴)

لوگو! تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے حضور اپنی گردنیں جھکا دو اس سے پہلے کہ تم پر آخری عذاب آجائے اور تم بے یار و مددگار رہ جاؤ۔

وَاتَّبِعُوٓا أَحْسَنَ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (سورۃ الزمر: ۵۵)

لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس جو بہترین باتیں بھیجی ہیں۔ ان کی پیروی کرو مگر اس سے پہلے کہ آخری نامرادیوں اور ناکامیوں کا عذاب یکا یک تمھیں آگھیرے اور تم بالکل بے خبر رہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس وقت حسرت وندامت کے ساتھ اس مہلت کے وقت کو یاد کر کے تم میں سے کوئی کہے

ہائے افسوس! میری اس کوتاہی پر جو میں نے اپنے رب کے احکام کی بجا آوری میں کی۔

أَوْ تَقُوْلَ لَوْ أَنَّ اللّٰهَ هَدٰنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ أَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِيْ كَرَّةً فَأَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ (سورۃ الزمر: ۵۷/۵۸)

یا کہے گا کہ اللہ میری ہدایت فرماتا تو میں بھی آج پرہیزگاروں میں ہوتا، یا پھر وہ آنے والا عذاب جب سامنے آموجود ہوگا تو اس کو دیکھ کر کہے گا اے کاش! گئی ہوئی مہلت اور گزرا ہوا وقت پھر دوبارہ مل جاتا تو اب میں نیکوکاروں کی جماعت میں شامل ہوجاتا۔

اس کے جواب میں اس وقت واحد قہار کا یہ پُرجلال فرمان سنا دیا جائے گا۔

بَلٰى قَدْ جَاءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ

(سورۃ الزمر: ۵۹)

ہاں پہلے ہی میں نے اپنے احکام بھیج دیے تھے اور اپنی نشانیاں دکھلائی تھیں لیکن تُو نے ان کو جھٹلایا ان کے آگے جھکنے کے بجائے مغرور ہوگیا میرے حکموں سے انکار کرنے والوں میں سے تُو ہی تو تھا تیرے لیے حیرت و نامرادی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

خدا کے باغیوں، نافرمانوں، منکروں اور متکبروں کا آخری انجام انتہائی بھیانک، حسرت ناک اور غضب ناک ہوگا، (العیاذ باللہ تعالیٰ)

فَاعْتَبِرُوْا يَاأُولِي الْأَبْصَارِ (سورۃ الحشر: ۲)

اے عقل والو! اس حقیقت انگیز بیان سے عبرت پکڑو۔

مسلمانو! کیا تم اس زندگی کے سوا کسی اور مہلت کی زندگی کی اُمید رکھتے ہو؟ یا اپنی زندگی کی میعاد جو مقرر اور مقدر ہے اس میں کچھ اضافہ کرانے کا خیال رکھتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو یاد رکھو کہ یہ خیالِ خام ہے اور ایسا سوچنا سخت فریب اور دھوکا ہے۔ سنو!

لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا (سورۃ المنافقون: ۱۱)

جب کسی کا پیغامِ اجل آ پہنچے گا تو اُسے ہرگز پل بھر کے لیے بھی مہلت نہ دی جائے گی۔

اور اگر ایسا نہیں تو پھر خدارا بتلاؤ تمہارے غفلت کے بستر کیوں خالی نہیں ہوتے؟ تمہارے پائے عمل میں حرکت کیوں پیدا نہیں ہوتی؟

کہنے والے کہیں گے کہ ہم بیدار ہیں سوئے نہیں ہیں۔ ہم ہشیار ہیں غافل نہیں ہیں۔ ہم چست ہیں سست نہیں ہیں۔ تو میں کہوں گا تم بیدار ضرور ہو مگر فکر جان و مال کے لیے۔ تم ہشیار ہو، ضرور

ہو، مگر عارضی عیش و راحت کی جستجو کے لیے۔تم چست ضرور ہو مگر ہوائے نفس کی تکمیل کے لیے۔کاش کہ تمہاری بیداری، ہشیاری اور یہ چستی نہ ہوتی تو اچھا تھا۔

یہ عیش نفس، فکر جان و مال کی زندگی کی بوجھل زنجیریں، تم نے اپنے پاؤں میں ڈال رکھی ہیں، کیا ہیں؟ سوا اس کے کہ ایک لہو ولعب اور خواہشاتِ نفس کی تکمیل ہے جو اول تا آخر سراسر غفلت اور فریب ہے اور آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے، اگر تم سمجھو اور غور کرو۔

لوگو! خواب کو بیداری اور سراب کو حقیقت نہ سمجھو ورنہ بڑے گھاٹے میں رہو گے۔ دیکھو! ابھی وقت ہے مان جاؤ، باز آجاؤ، توبہ کرو، اس کا دروازۂ رحمت و بخشش تو کبھی بند نہیں ہوا ہے اور نہ اب بند ہے۔اس سے کٹ کر تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ دُنیا کا ہر دروازہ تم پر بند ہو سکتا ہے مگر صرف اسی کا ایک دروازہ ہے جو کھلنے کے لیے ہے، بند ہونے کے لیے نہیں ہے۔تم ہزار مرتبہ اس دروازے سے بھاگو پھر بھی وہ تمہاری آمد کا منتظر ہے ؎

باز آ ہر آنچہ کردی باز آ
گر کافر و گبر بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما، درگہِ نا امیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اے خوش نصیب گنہ گارو! ذرا غور سے سنو تو صحیح یہ کس کا نغمۂ سامع نواز سنائی دے رہا ہے۔ یہ ڈھارس بندھانے والی آواز کس کی ہے:

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (سورۃ الزمر: ۵۳)

اے میرے بندو! کہ تم نے میری نافرمانیاں کر کے طرح طرح ظلم خود اپنی جان اور اپنی زندگی پر کیے ہیں۔گو وہ کتنے ہی سخت اور غضب انگیز ہوں تاہم اپنے رب کی رحمت و رافت سے مایوس نہ ہو توبہ کرو اور اس کے آگے جھک جاؤ۔تمہارے تمام قصوروں کو معاف کر دے گا۔ وہ تو بہت ہی بڑا بخشش دینے والا مہربان ہے۔

لوگو! اس کی ندائے کرم سے اگر تم نہ چونکو، نہ کلبلاؤ، تو اس کا کچھ نقصان ہونے والا نہیں، ہاں! نقصان خود تمہارا ہی ہے۔ وہ اگر چاہتا تو تمھیں تمہارے حال پر چھوڑ دیتا۔تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ نہ اس پر کوئی اعتراض کر سکتے تھے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔اپنے دروازۂ کرم سے تمھیں

بھگاتا نہیں بلکہ کمالِ رحمت و رافت سے تمھیں کبھی اپنے محبوبوں کے ذریعہ دعوت دیتا ہے اور کبھی براہِ راست تم سے مخاطب ہوتا ہے۔ یہ شعبان کا مقدس مہینا اس کے خطابِ عام کا مہینا ہے۔

شعبان المعظم کیا ہے؟ ہدایت وسعادت اور روحانیت و معرفت کی دعوتِ عام ہے۔ اخلاق و روحانیت کے تاریک گوشوں کے لیے نور و سرور اور انسانیت کی ویران و سنسان بستیوں کی آبادی و شادمانی کا پیغام ہے۔ غافل انسانوں کے دلوں کی صلاح وفلاح کے لیے ندائے الٰہی ہے۔ اس مقدس ماہ کی مبارک رات میں ماضی کی غفلتوں اور کوتاہیوں کے تدارک کے لیے مستعد کیا جاتا ہے اور نیک بندوں کے درجات وفضائل میں اضافہ ہوتا ہے۔

شعبان المعظم کی پندرھویں لاہوتی مقدس رات میں جب کہ سورج افقِ مغرب میں غائب ہو چکتا ہے۔ تو اس رحمٰن ورحیم مولیٰ کا دریاے رحمت ورافت، محبت و پیار کے ساتھ پکارتا ہے:

’’آج کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کروں۔ کوئی طالبِ مغفرت ہے کہ میں اس کو بخشش دوں۔ کوئی مجھ سے مانگنے والا ہے کہ میں اس کو عطا کروں۔ ہے کوئی دُنیا سے کٹ کر میری طرف آنے والا کہ میں اس کو آغوشِ رحمت میں جگہ دوں۔ ہے کوئی میرے حضور تڑپنے والا کہ میں اسے تسکین دوں۔ کوئی مجھ سے محبت کرنے والا ہے کہ میں اسے پیار کروں۔ ہے کوئی پیاسا، ہے کوئی تھکا ہوا، میں اس کے لیے جو پیاسا ہے پانی دوں اور اس کے لیے جو مایوسی سے تھک کر بیٹھ گیا ہے اُمید ہوں۔ اگر تم زخمی ہو تو میری طرف آؤ میں مرہم ہوں۔ تم کیوں غیروں کی ٹھوکریں کھاتے ہو اور میری آغوشِ محبت سے بھاگتے ہو۔ ارے نادانو! میں تو وہ ہوں کہ اگر تم ایک بالشت میری طرف آؤ تو میں تمہاری طرف ایک ہاتھ آگے بڑھوں اور اگر تم چل کر میری طرف آؤ تو میں دوڑ کر تمہاری طرف آؤں (جیسا کہ اس کی شان کی لائق ہے) اے طالبِ خیر، ہشیار، دیکھ! میں تجھے پکار رہا ہوں جلدی جلدی کر، دیر نہ لگا جو مانگنا ہے مانگ لے کہ یہی مانگنے کا بہترین وقت ہے۔ اپنی شرارتوں سے باز آ۔‘‘

آہ! صد آہ! حیف صد حیف! کہ وہ کریم بندہ نواز مولیٰ اپنا بابِ کرم کھولے ہمیں پکارے، دعوت دے، رحمت وغفران سے نوازنے کا وعدہ فرمائے۔ سب کچھ دینے کے لیے بلائے۔ ایک دوبار نہیں طلوعِ صبح تک یہ اعلانِ عام جاری رکھے۔ مگر ہم اتنے سرکش، مغرور، غافل ہیں کہ اس ندائے الٰہی پر لبیک کہنے کی بجائے لہو ولعب کی بدمستیوں یا عالمِ خواب نوشیں کی راحت فرمائیوں میں سست و بے خبر ہوتے ہیں۔ کاش! کہ ہم عقل سے کام لیتے تو یقیناً فلاح پا جاتے۔

مسلمانو! تم کلمہ گو ہو۔ ایک اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہو۔

اس گئے گزرے دور میں بھی اپنے مذہب کو عزیز تر سمجھتے ہو۔ بڑے سے بڑے گناہ کا ارتکاب کر سکتے ہو لیکن ترکِ اسلام تمھیں گوارہ نہیں۔ یہ اس بات کی کھلی ہوئی ضمانت ہے کہ تمہارے اندر مذہبی زندگی کی رمق اب بھی باقی ہے۔ اگر ٹھیک ڈھنگ سے علاج کیا گیا اور حسب ضرورت طاقت بخش غذا ملتی رہی تو تم بہت جلد صحت منداور توانا ہو سکتے ہو۔

آؤ! ہم سب مل جل کر رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے اور ان نفوسِ قدسیہ کی زندگی کی روشنی میں جو صلحاے اُمت اور علماے ملت کہلاتے ہیں، اپنا علاج کریں اور اس کا آغاز اس مبارک مہینے سے کریں جس کو محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا مہینا فرمایا، اور جس کی عظمت وفضیلت، برکت و رحمت کا خطبہ ارشاد فرمایا ہے۔ دونوں جہاں کی نعمتوں اور راحتوں کے حاصل کرنے اور تمام آفات و بلیات، مصائب وآلام کے دور کرنے اور ہر دلی جائز مراد کے پوری ہونے کا بہترین موقع ہے۔ اسے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۃ الاحزاب: ۳۳)

لوگو! بے شک رسولِ پاک کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونۂ عمل ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس ماہِ مبارک میں کثرت سے روزے رکھتے، نوافل ادا فرماتے، دُعا واستغفار میں مشغول رہتے، اس کی پندرھویں شب میں خاص طور پر شُہَدا اور عام مسلمان مرد وعورت کی قبروں پر تشریف لے جاتے۔ ان کے لیے دُعاے مغفرت ورحمت فرماتے۔ پھر واپس ہو کر عبادت واستغفار میں مشغول ہو جاتے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس رات میں سو رکعت نفل نماز پڑھے گا؛ اللہ تعالیٰ اس کے پاس سو فرشتے بھیجے گا۔ تیس جنت کی خوش خبری سنائیں گے۔ تیس دوزخ کے عذاب سے بچائیں گے۔ تیس دُنیاوی آفتیں دور کریں گے۔ دس شیطان کے مکر و شر سے حفاظت کریں گے۔

شبِ براءت میں اللہ کے نیک بندوں کے معمولات ہمیشہ یہ رہے ہیں:

(۱) بعد نماز مغرب تین مرتبہ سورۂ یٰسین شریف پڑھنا، ایک مرتبہ عمر میں برکت کے لیے، دوسری مرتبہ کشادگیِ رزق کے لیے، تیسری مرتبہ دفعِ بلا کی نیت سے۔

(۲) بعد نماز عشاء نمازِ نفل بارہ رکعتیں دو دو رکعت کر کے پڑھنا، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار اور قل ہو اللہ شریف دس بار۔ بعد نماز کلمۂ توحید دس بار اور کلمۂ تمجید دس بار، دُرود شریف سو بار، اس کے بعد جتنی بار چاہیں یہ دُعائیں پڑھیں: ''اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ۔'' ترجمہ: الٰہی تُو

خطاؤں سے درگزر فرمانے والا ہے، عفو و درگزر کو پسند فرماتا ہے، تُو مجھے معاف فرما دے۔ ’’اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَّةِ وَالْمُعَافَاةَ الدَّائِمَةِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔‘‘ ترجمہ: مولیٰ میں تجھ سے دُنیا و آخرت دونوں میں عفو عافیت چاہتا ہوں اور معافی کا طلب گار ہوں۔

(۲) صلوٰۃ التسبیح: یہ وہ افضل اہم نماز ہے جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: اس کے پڑھنے سے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، خدا توفیق دے تو روزانہ پڑھو ورنہ ہفتہ میں ایک بار پڑھو۔ مہینا میں ایک بار پڑھو اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو سال میں ایک بار پڑھو۔ اس کے لیے شبِ براءت کی پُرانوار ساعتیں نہایت موزوں ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ چار رکعتیں اس طرح ادا کریں کہ (ثنا) ’’سبحانك اللّٰھم ‘‘ کے بعد پندرہ بار ’’سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ‘‘ پڑھیں پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ اور الحمد للہ اور کوئی سورہ حسبِ دستور پڑھ کر دس بار یہی تسبیح پڑھیں، پھر رکوع میں سبحان ربی العظیم کے بعد دس بار پھر رکوع سے سر اُٹھا کر دس بار، پھر پہلے سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد دس بار، پھر سجدہ سے سر اُٹھا کر دس بار، پھر دوسرے سجدہ میں دس بار، اسی طرح چار رکعتیں پڑھیں۔

پہلی رکعت میں سورۂ تکاثر دوسری میں والعصر تیسری میں قل یاایھا الکٰفرون چوتھی میں قل ھو اللہ پڑھنا افضل ہے۔

دوستو! یہ ہیں جناب سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی اداؤں اور اشاروں پر قربان ہونے والوں کے معمولات اور ان معمولات کی حیثیت اپنی جگہ عبادات و اعمالِ خیر کی ہے لیکن اگر ان پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان اعمال اور اَوراد کا ایک بڑا اور اہم مقصد یہ بھی ہے کہ عامل میں ان اعمال کے ذریعہ ایک ایسا صحیح اور صحت مند احساس و جذبہ پیدا ہو جائے جو اس کی آیندہ زندگی کی صلاح و فلاح کی ضمانت بن سکے۔

یا اللہ! ہم سب کو شبِ براءت کی لاہوتی ساعتوں کی رحمتوں، برکتوں اور اپنی بخشش و غفران سے بھرپور فائدہ حاصل کرنے کی توفیق کامل عطا فرما، آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین!

(ماہ نامہ مدنی تجلیات: ناگ پور، شمارہ نومبر ۱۹۶۷ء، ص ۳۵)

☆☆☆

فلسفۂ زکوٰۃ

اسلام نے ایک مہذب اور فطری مذہب ہونے کی حیثیت سے بنی نوع انسان کی ہمیشہ رہنے والی اُخروی اور روحانی زندگی کو کامیاب اور بہتر سے بہتر بنانے کے لیے اصلاحی اور تربیتی پروگرام کے تحت جن اُصول وضوابط اور آئین وقوانین کو مرتب فرما کر دُنیا والوں کے سامنے پیش کیا ہے اُن کی اچھائی، اُن کے معیار کی بلندی اور انسانی زندگی سے ہم آہنگی اپنی جگہ مسلم اور اٹل ہے، اور یہ نا قابل انکار حقیقت ہر منصف مزاج، ذی شعور، سلیم الطبع اور صاحب بصیرت پر روشن ہے۔

لیکن چوں کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح صرف روحانی اور خالص مذہبی تحریک نہیں ہے اور نہ وہ صرف روحانی اقدار ہی کو بلند کرنے کے لیے آئین وقوانین مرتب کرتا ہے بلکہ اسلام کی حیثیت عظیم الشان باامن انقلابی تحریک کی بھی ہے۔ اسی لیے اس کا مرتب کردہ ضابطۂ حیات جس طرح انسان کی دینی اور روحانی زندگی کے لیے مفید اور اس کے ہر گوشے پر حاوی ہے اسی طرح کی دُنیوی اور مادی زندگی کے لیے بھی مفید اور کارآمد ہے۔ جس کی نظیر دُنیا کے کسی مذہب اور تحریک میں نہیں ملتی اور نہ آیندہ مل سکے گی۔

اسلام نے دُنیا کی عظیم ترین باامن انقلابی تحریک ہونے کی حیثیت سے بنی نوع انسان پر جو زبردست اور نا قابلِ فراموش احسانات کیے ہیں ان کا دائرہ اتنا وسیع اور پھیلا ہوا ہے کہ صرف ان کا تذکرہ اور احاطہ کرنا دُشوار ہے، اور یہ بات اس لیے بھی درست اور قابل تسلیم ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں پر اس بات کو واجب اور ضروری گردان کر انھیں ذمہ دار بنا دیا ہے کہ ان کی زندگی کا ہر شعبہ اور ہر پہلو مذہب کے ماتحت ہو۔ اسی لیے فرزندانِ اسلام کے تمام تاریخی کارنامے بھی اسلام کے ان اصلاحی کارناموں کے حدود اور دائرے میں آجاتے ہیں جنھیں اسلام اور مسلمانوں کے مخالفین عالم انسانیت پر اسلام کے احسانات تسلیم کرتے ہیں۔

تاریخِ عالم اس بات پر گواہ اور شاہد عدل ہے کہ اس مہذب دُنیا نے اسلام اور مسلمانوں سے کیا کیا فائدے حاصل کیے ہیں۔ آج جہاں کہیں بھی تہذیب وتمدن، علوم وفنون، شائستگی ومتانت، سنجیدگی ودیانت، مساوات واخوت اور باہمی ہمدردی ومروت کی روشنی یا جھلک پائی جاتی ہے وہ اسلام ہی کی کرشمہ سازیوں کا لازمی نتیجہ اور اثر ہے۔ یوں ہی جمہوری نظام اور بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد اسلام نے رکھی۔ نیز اسلام ہی نے اقتصادی اور معاشی نظام کو بالکل واضح اور مکمل شکل میں سب سے پہلے پیش کیا ہے اور اب تو غیر مسلم بھی اسلام کی افادی حیثیت کی تحقیقات کرنے کے بعد قدم قدم پر اقرار کرتے جارہے ہیں کہ، علمی، تہذیبی، اخلاقی، تعمیری اور ترقیاتی سرمایہ جو دُنیا کے پاس ہے وہ اسلام کا عطا کردہ ہے اور دراصل حقیقت بھی یہی ہے۔ کیوں کہ اسلام کی تشریف آوری ایسے نازک وقت اور

پُرخطر ماحول میں ہوئی ہے کہ اس وقت تمام پرانی تہذیبیں مٹ چکی تھیں، یا فرسودگی کی چادر میں منہ چھپائے سسک سسک کر دَم توڑ رہی تھیں ۔ اسلام نے ان کی روح کے ساتھ مسیحائی کا کام اور ان اچھائیوں اور خوبیوں کو اپنے ذاتی محاسن سے وابستہ کر کے دُنیا والوں کے سامنے تہذیب وتمدن کا وہ اعلیٰ معیار پیش کیا جو اپنی مثال آپ ہے اور جس پر آج پوری مہذب دُنیا کی بنیاد قائم ہے۔

مشہور یورپی مفکر سر ولیم میور لکھتا ہے:

''ہم بڑی فراخ دلی سے اقرار کرتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ماننے والوں میں خدا کی توحید کا سچے دل سے اقرار موجود ہے۔ اسلامی تعلیم کے ذریعے اخلاقی نیکیوں میں اضافہ ہوا۔ ایمان کے دائرے کے اندر برادرانہ محبت کی تلقین کی گئی، یتیموں اور بیواؤں کی حفاظت اور بے کسوں و بے بسوں کی خاطر داری کے ساتھ ان کے حقوق کا تعین ہوا۔ نشہ آور چیزوں کی ممانعت ہوئی غرض کہ اسلام ایسے اعلیٰ کردار اور اُصول پر فخر کرسکتا ہے جس کی دوسرے مذہب کو خبر تک نہیں ہے۔''

نامور فرانسیسی مؤرخ موسیو سیلا یو یورپ پر مسلمانوں کے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''اگر مسلمان اسپین میں نہ آتے تو نہ جانے کتنی مدت تک پورا یورپ جہالت کی تاریکیوں میں مبتلا رہتا۔ اہلِ یورپ کو مسلمانوں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے اسپین میں علم کی شمع روشن کر کے یورپ کے لیے علوم وفنون کا دروازہ کھول دیا۔ انگلستان، جرمنی، اٹلی، فرانس اور دیگر یورپین ممالک کو علم کی روشنی سے منور کردیا۔''

اسلام کی احسان مندی کا یہ مفید اور حیات آگیں سلسلہ زمانۂ ماضی میں ہی اختتام پذیر نہیں ہو کر رہ جاتا۔ بلکہ آج بھی اور رہتی دُنیا تک اسلام کے وسیع دامن رحمت میں ایسے بے شمار جواہر ریزے پائے جاتے ہیں اور پائے جائیں گے، جو انسانیت کی ثروت مندی اور تابناکی میں بے پناہ اضافہ کر کے چار چاند لگا سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر موجودہ زمانہ کی اقتصادی اور معاشی کشمکش اور اس کے شدید ترین الجھاؤ کو مد نظر رکھیے، پھر اس کے بعد تاریخِ عالم کا بغور مطالعہ کیجیے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ اقتصادی اور معاشی کشمکش نے آج جو پُرفتن اور خطرناک صورت اختیار کرلیا ہے۔ اس سے پہلے کسی قرن کسی دور میں بھی نہیں تھی ۔ اس وقت دُنیا میں جس طرف نظر ڈالیے سرمایہ داروں اور مزدوروں کے درمیان عملی یا ذہنی کشمکش ضرور نظر آئے گی ۔ اس سے شاید ہی دُنیا کا کوئی ملک خالی ہو، اور اسلامی تاریخ میں تو اس کشمکش اور اُلجھاؤ کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ اسلامی تاریخ میں اس کشمکش کے نہ ملنے کا واحد اور اولین سبب یہ ہے کہ اسلام نے اقتصادی اور معاشی نظام کی اہمیت اور اس نظام کی خرابی کے تباہ کن اثرات اور

خطرناک نتائج کو خوب اچھی اور پوری طرح محسوس کر لینے کے بعد اس نے ایک ایسا مکمل اور مضبوط اقتصادی اور معاشی نظام مرتب فرمایا، جس میں نہ تو سرمایہ داری کے لیے کوئی جگہ باقی ہے اور نہ مزدوروں، محنت کشوں، ناداروں اور غریبوں کے ساتھ ناانصافی اور حق تلفی کا کوئی امکان موجود ہے۔

آج انسان ایورسٹ کی سر بہ فلک چوٹی کو اپنے قدموں سے روند کر اپنی عظمت کا اعلان کر چکا ہے۔ خلائی سفر کے لیے راستہ ہموار کر کے دُنیاے سائنس میں ایک نیا باب کھول دیا ہے۔ چاند کی دُنیا میں پہنچنے کی آرزو میں اپنے آہنی عزم و استقلال پر دادِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ باوجود اس کے اقتصادی اور معاشی کشمکش انسان کے لیے مستقل اُلجھن اور شدید ترین مصیبت بنی ہوئی ہے، اور اس سے بہت سی برائیاں اور فتنے پیدا ہو رہے ہیں، اور روز بروز ان میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ انھیں برائیوں اور فتنوں کی روک تھام کے لیے ''شوشلزم'' اور ''کمیونزم'' وغیرہ تحریکوں نے جنم لیا۔

اس وقت دُنیا میں ''کمیونزم'' اور ''شوشلزم'' کو بہترین اقتصادی اور معاشی تحریکات اور سرمایہ داری کا بدترین مخالف سمجھا جاتا ہے، اور بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلام کمیونزم اور شوشلزم کا حامی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا نظام موجودہ کمیونزم اور شوشلزم سے بالکل مختلف اور الگ ہے۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

کیوں کہ اسلام کے نظام اقتصادیات و معاشیات میں یہ بات خصوصیت کے ساتھ موجود ہے کہ وہ بغیر کسی کو نقصان پہنچائے سب کو فائدہ پہچانے پر زور دیتا ہے۔ وہ ''حق بہ حق دار رسید'' کا حامی ہے۔ اسی لیے اس نے شخصی مفاد کو نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ اس کو پوری طرح برقرار رکھا ہے، تاکہ ظلم اور ناانصافی کو راہ یابی کا موقع نہ مل سکے۔ نیز اسلام ہر شخص کو زیادہ سے زیادہ سرمایہ پیدا کرنے کا پورا پورا مجاز اور اختیار بخشتا ہے، لیکن دولت کی فراہمی کے لیے وہ ناجائز وسائل و ذرائع کی سخت مخالفت اور مذمت کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سرمایہ داری کے سب سے بڑے اور مؤثر وسیلہ ''سود'' کو سرے سے ہی حرام قرار دیا ہے۔ اور دوسرے جائز وسائل سے جمع کی ہوئی دولت پر زکوٰۃ مقرر کر کے براہِ راست زر اندوزی پر ایک ایسی کاری ضرب لگائی ہے کہ ''سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی''

پھر اسلام سرمایہ داروں کو اصطلاحی طور پر مالکِ سرمایہ ضرور تسلیم کرتا ہے اور ان کو اپنے کمائے ہوئے سرمایہ سے جائز طور پر بھرپور فائدہ حاصل کرنے کا حق دار بھی گردانتا ہے۔ لیکن درحقیقت انھیں امین (سے) زیادہ حیثیت نہیں دی ہے، یعنی جس طرح ایک امین محض اپنی مرضی سے بغیر مالک کی اجازت کے امانت میں کسی قسم کے تصرف کا قطعاً کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ اسی طرح ایک سرمایہ دار اسلامی اُصول کے خلاف اپنی دولت کو ہرگز ہرگز خرچ نہیں کر سکتا، اگر کرتا ہے تو وہ خائن اور مجرم ہے۔ اس طرح

دولت کو مرضیِ الٰہی کے خلاف من مانی طور پر خرچ کرنے سے روک کر انسان کو بہت سی برائیوں اور فتنوں سے بچا لیا گیا ہے۔ پھر دولت کو خرچ کرنے کے لیے کچھ مصارف مقرر کر دیے ہیں۔ جن کی وجہ سے کوئی دولت مند مسلمان سرمایہ داری کی لعنت میں مبتلا ہی نہیں ہو سکتا۔ اس طرح سے قومی دولت ہمیشہ گردش میں رہتی ہے۔ دولت کے کسی ایک فرد یا گروہ کے پاس جمع ہو جانے سے قومی اقتصادیات و معاشیات میں جو بدنظمی اور خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ اسلامی سماج میں وہ بدنظمی ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی۔

یہ بات ہمارے زمانے میں پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ کمیونزم اور شوشلزم وغیرہ اقتصادی تحریکیں جس مقصد کے لیے عالمِ وجود میں آئی تھیں انھیں اپنے مقصد میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی اور بہت جلد اہلِ بصیرت پر ان کا نقص اور کھوکھلا پن ظاہر ہو گیا لیکن اسلام کا نظامِ اقتصادیات جس طرح آج سے چودہ سو برس قبل عوام وخواص کی خوش حالی، باہمی ہمدردی اور سماجی تعلقات کی استواری کا ضامن تھا، ٹھیک اسی طرح اس ترقی یافتہ دور میں بھی عوام کی زندگی کو خوش حال اور طبقۂ اعلیٰ و اسفل کے مابین ذہنی اور عملی کشمکش کو دور کر کے باہمی تعلقات کو استوار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ایک یورپین مفکر اسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے: ’’دُنیا اگر اقتصادیات و معاشیات پر کسی نظام سے بآسانی قابو پا سکتی ہے تو وہ صرف اسلام کا پیش کردہ مکمل نظامِ اقتصادیات ہے۔‘‘

اس متعصّبانہ دور میں جب کہ اغیار اسلامی اُصول کی سچائی اور افادیت کا قدم قدم پر اقرار و اعتراف کرتے ہیں اور دُنیا والوں کی فلاح و بہبود کا اسے ضامن یقین کرتے ہیں نیز انھیں اُصولوں پر چلنے کی وہ دعوت بھی دیتے ہیں۔ تو ہم مسلمان کہیں زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ اپنے مذہب کے ہر چھوٹے بڑے اُصول پر سب سے پہلے عمل پیرا ہوں، کاش کہ مسلمان کی عملی زندگی اسلام کا آئینہ دار ہوتی۔

’زکوٰۃ‘ اسلام کا وہ اہم رکن ہے جس میں دین و دُنیا کی برکتیں اور بھلائیاں پوشیدہ ہیں، زکوٰۃ دینے سے انسان میں ایثار و قربانی اور ہمدردی و مروت کے جذبات اور مستحقین کے حقوق کی ادائیگی کا خیال اور احساس پیدا ہوتا ہے، غرور و نخوت کی لعنتوں سے اس کا دامنِ حیات پاک ہو جاتا ہے، یہ وہ اوصاف ہیں جن پر اخلاقیات کی بنیاد قائم ہے نیز یہی انسان کے اصلی جوہر بھی ہیں اور دوسرے یہ کہ اُخروی سعادتوں کے علاوہ زکوٰۃ دینے سے دنیاوی عزت و وجاہت اور عوام کی پوری پوری ہمدردی بھی حاصل ہوتی ہے، مولیٰ تعالیٰ ہر صاحبِ استطاعت کو توفیق بخشے کہ وہ پوری دیانت اور ایمان داری سے ہر سال اپنی پاک کمائی کا چالیسواں حصہ راہِ خدا میں خرچ کر کے اپنے قوم وسماج کی فلاح و بہبودی اور ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے اور عند اللہ خیرِ کثیر اور اجرِ عظیم کا مستحق ہے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین!

(ماہ نامہ مدنی تجلیات: ناگ پور، شمارہ جنوری ۱۹۶۶ء، ص۱۹۱) ☆☆☆

روزہ کے فضائل و مسائل

فضائل:

جس طرح موسمِ بہار اپنی تمام تر رعنائیوں، دل فریبیوں اور شادابیوں کی وجہ سے دوسرے تمام موسموں سے ممتاز اور بہتر ہے، اسی طرح رمضان المبارک کا مہینا دینی و دُنیوی برکتوں اور روحانی فیض رسانیوں کی بنا پر دوسرے تمام اسلامی مہینوں پر مخصوص شرف، عظیم فضیلت اور خاص اہمیت رکھتا ہے، روحانی دُنیا میں اس کا بہار کا زمانہ یعنی موسمِ رحمت کہا جاتا ہے، جمعہ اگر سید الایام ہے تو سید الشہور ماہِ صیام ہے۔

رمضان کیا ہے؟ خلاصۂ سعادت و نجات ہے۔ مجموعۂ حسنات و برکات ہے۔ اس کی ہر رات انوارِ ربانی کی تجلیات سے معمور ہے۔ اس کا ہر دن رحمت الٰہی سے مالا مال ہے۔ اس کا ایک ایک لمحہ سعادت اندوزی کے لیے بیش قیمت اور قابلِ قدر ہے۔

اس ماہِ مقدس کو سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص اللہ کا مہینا فرمایا ہے۔ اسی مہینے میں خلاقِ عالم نے اپنے بندوں کی ہدایت اور ان کی دینی اور دُنیوی خیر سگالی کے لیے اپنی آخری کتاب قرآن مجید نازل فرمائی۔ جو مکمل ضابطۂ حیاتِ انسانی ہے، جس کی پیروی بلندیِ درجات اور روحانی کمالات کا ضامن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مقدس مہینا سعادت مند مسلمانوں کے لیے روحانی برکات، اخلاقی کمالات اور ایمانی انوار و تجلیات کو حاصل کرنے کا ایک بہت بڑا امیدان ہے۔

اِس ماہِ پُر انوار کو خود زبانِ رسالت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے سراہا ہے۔ احادیث نبویہ اس کے فضائل و برکات سے گونج رہی ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی کے چند اقتباسات مختصراً یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس ماہ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اگر بندوں کو معلوم ہوتا کہ رمضان کیا ہے تو میری اُمت تمنا کرتی کہ پورا سال رمضان ہی ہو۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس ماہ کے فضائل و برکات ان الفاظ میں بیان فرمائے ہیں کہ: اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی بخشش و غفران کے خزانے اور جنت و رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ سرکش جن اور شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت و عنایت خصوصیت سے اس مہینے میں بندوں کی دستگیری کرتی ہے۔ یہ مہینا صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ اس میں مؤمن کا رزق بڑھایا جاتا ہے۔ یہ مہینا باہمی سلوک اور غم خواری کا ہے۔ یہ وہ مہینا ہے جس کا اول رحمت، اوسط مغفرت اور آخر جہنم سے آزادی ہے۔

رمضان المبارک میں کیے جانے والے اعمالِ حسنہ کے اجر و ثواب کے متعلق سرکار صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس مہینے کے فرض دوسرے مہینوں کے ستر فرض کے برابر اور نوافل دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر ہیں (خیال رہے اس مہینے میں بُرے اعمال کے گناہ بھی دوسرے مہینوں کے گناہ سے نسبتاً زیادہ ہوتے ہیں) خوش نصیب ہیں وہ بندے جو اس ماہِ مقدس میں نوافل، ذکر، اذکار، تلاوتِ قرآنِ پاک، صدقات وخیرات اور دیگر اعمالِ حسنہ میں مشغول رہ کر خیرِ کثیر اور ثوابِ عظیم کی دولت سے اپنے دامنِ حیات کو بھرتے ہیں۔ بدنصیب اور پورے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اس بابرکت مہینا کو غفلت، معصیت اور رنگ رلیوں میں گزار کر اپنی محرومی کا پورا پورا ثبوت دیتے ہیں اور 'خسر الدنیا والآخرۃ' کے مصداق بنتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

شبِ قدر جو عموماً رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو ہوتی ہے اس کے متعلق رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس مہینا میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ (اسی مضمون کو قرآن کی آیت کریمہ لیلۃ القدر خیر من الف شھر میں بھی بیان کیا گیا ہے) حضور فرماتے ہیں جو اس رات کی خیر وبرکت سے محروم ہو گیا وہ ہر خیر سے محروم ہو گیا اور اس کی خیر و برکت سے وہی محروم رہے جو پورا پورا محروم ہے۔

روزہ دار کو افطار کرانا بھی بڑا ثواب رکھتا ہے۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا، اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ اسے دوزخ سے آزاد کرایا جاتا ہے۔ افطار کرانے والے کو روزہ دار کے برابر ثواب ملتا ہے اور روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہم میں سے تو ہر شخص اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے اور کھانا کھلائے۔ آپ نے فرمایا صرف ایک کھجور سے یا دودھ اور پانی کے دو گھونٹ سے روزہ افطار کرا دینا بھی کافی ہے اور جس نے پیٹ بھر کھانا کھلایا، اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوضِ کوثر سے پلائے گا،

ہم گنہ گاروں کو مژدۂ مغفرت سناتے ہوئے رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: جس نے حالتِ ایمان میں ثواب کی اُمید پر رمضان کے روزے رکھے۔ اس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے اور جو حالتِ ایمان میں ثواب کی اُمید پر رمضان کی راتوں کا قیام کرے گا (تراویح پڑھے گا) اس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ مزید برآں روزہ اور قرآن دونوں بندہ کے لیے قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں شفاعت کریں گے۔ روزہ بارگاہِ خداوندی میں عرض کرے گا مولیٰ! میں نے کھانوں، لذتوں اور خواہشوں سے دن میں اسے باز رکھا ہے۔ میری شفاعت اس کے بارے میں قبول فرما۔ قرآن کہے گا اے پروردگار! میں نے اسے راتوں کو سونے سے روکا ہے۔ میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما۔ حضور فرماتے ہیں کہ دونوں کی شفاعتیں قبول ہوں گی۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ روزہ سپَر ہے، دوزخ سے حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے۔

سحری کھانا بھی کارِثواب اور باعثِ برکت ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سحری کل کی کل برکت ہے۔اسے چھوڑنا نہ چاہیے۔اگر کچھ نہ ملے تو ایک گھونٹ پانی ہی پی لے، کیوں کہ سحری کھانے والوں پر اللہ اور اس کے فرشتے دُرود بھیجتے ہیں۔نیز سرکار فرماتے ہیں کہ سحری کھانے والے سے اس کے کھانے کا قیامت کے دن کوئی حساب نہ ہوگا بشرط یہ کہ حلال کھایا ہو۔

فوائد:

انسان کے اندر فطرتاً ذاتی مفاد طلبی کا جذبہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے، چناں چہ یہی جذبہ انسان کا ہر اس کام کے کرنے پر اُکساتا اور آمادہ کرتا ہے، جس میں اس کا ذاتی فائدہ ہوتا ہے اور انسان کو ایسے ہی کاموں سے خاص دلچسپی بھی ہوتی ہے، نیز مفید کام کی انجام دہی کے سلسلہ میں پیش آنے والی ہر مصیبت اور کٹھنائی کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنے اور اس راہ کی ہر تکلیف کو برداشت کرنے کا حوصلہ بھی اندر پاتا ہے۔

اسی لیے پروردگارِ عالم نے روزے کی فرضیت کے بیان کے ساتھ ساتھ اس کی افادیت کا بھی تذکرہ فرمایا ہے، جس کا اثر انسانی زندگی پر براہِ راست اسی دُنیا میں پڑتا ہے اور وہ مختلف روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔قرآن کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! روزہ تم پر اس لیے فرض کیا گیا ہے تاکہ تم متقی اور پاک باز بن جاؤ۔مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر روزے اس لیے فرض نہیں فرمائے ہیں کہ اس میں اللہ کا کوئی فائدہ تھا بلکہ اس کا بھرپور فائدہ خود روزہ دار ہی کو ملنے والا ہے، اور وہ فائدہ یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے روزہ دار کے اندر تقویٰ کی صفت پیدا ہو جائے گی۔

تقویٰ جامع جمیع کمالات اور مہتم بالشان صفت ہے۔تقویٰ کے فوائد اور اس کی خصوصیات قرآن وحدیث میں بے شمار آئی ہیں۔ان سب کی سمائی اس اختصار میں ممکن نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ اعمالِ صالحہ کا خزانہ، روحانی تربیت کا بہترین طریقہ، دُشمنوں سے حفاظت، مصائب وآلام سے نجات اور رزقِ حلال حاصل کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔تقویٰ سے اعمال کی درستی، عبادت کی قبولیت اور بارگاہِ الٰہی میں عزت وکرامت حاصل ہوتی ہے۔غرض تقویٰ دُنیا وعقبیٰ کی سعادتوں کا ذریعہ ہے اور یہ صفت روزہ سے پیدا ہوتی ہے۔تو گویا روزہ انسان کے روحانی امراض کا بہترین علاج اور نفسِ امارہ (سرکش نفس جو انسان کو غلط کاری پر اُکساتا ہے) اور قوتِ بہیمیہ کو مغلوب کرنے کا زبردست ذریعہ ہے۔

روزہ انسان میں صحیح احساسات وجذبات اور اعلیٰ اخلاق پیدا کر کے انسان کے خیالات کو درست کرتا ہے اور قوتِ شہوانیہ کو معتدل بناتا ہے۔روزہ روح کی تمام کثافتوں اور آلائشوں کو دور کر کے اس کو مجلّٰی اور مصفّا بناتا ہے۔اس سے ملکوتی قوتیں بڑھتی ہیں اور نفس امارہ کی طاقتیں کمزور ہوتی ہیں۔روزہ انسان کے دل ودماغ پر ہر وقت خدا کے خیال کو طاری اور مسلط رکھتا ہے، گویا روزہ اس طرح انسان

کو مرضیِ الٰہی کے خلاف کام کرنے سے باز رہنے اور نفس پر قابو رکھنے کا عادی بنا دیتا ہے اور **لعلکم تتقون** کی عملی تفسیر پیش کرتا ہے لیکن یہ سب فوائد و برکات روزہ دار کو اس وقت حاصل ہوں گے جب کہ روزہ دار کھانے پینے اور جماع سے باز رہنے کے ساتھ ساتھ روزہ کے حقوق اور لوازمات کا پوری شدت کے ساتھ خیال رکھے۔ صرف وہ اپنی زبان ہی کا روزہ نہ رکھے بلکہ اس کا روزہ تمام اعضا کا روزہ ہونا چاہیے۔

ایک روزہ دار کے روزہ کا یہ بھی اہم جز ہے کہ وہ اپنی آنکھ، زبان اور اپنے کان، ہاتھ، پاؤں کو تمام منہیاتِ شرعیہ سے بچائے رکھے۔ کسی بری چیز پر نگاہ نہ ڈالے۔ کسی کا دل دکھانے والا کوئی کلمہ اور گندے الفاظ زبان سے نہ نکالے، کسی بُری اور فساد پھیلانے والی بات کو نہ سنے، قدم کسی بُرے کام کے لیے نہ اُٹھیں اور اس کے ہاتھ کسی حرام چیز مس نہ کریں۔ یہ ہے سچا اور افادیت سے بھرپور روزہ۔ یہی روزہ انسان کو انسانیت سکھاتا ہے اور مقامِ انسانیت پر لاکر کھڑا کر دیتا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ایسا ہی روزہ رکھنے کی توفیق بخشے، آمین آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین!

مسائل:

روزہ کے فضائل و فوائد بتا دینے کے بعد اس کے مسائل ضروریہ کا بتانا بھی ضروری ہے تاکہ ہر روزہ داران مسائل کی روشنی میں اپنے روزوں کو پورا کرے۔

رویت ہلال:

شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ان پانچ مہینوں کا چاند دیکھنا واجبِ کفایہ ہے۔ چاند دیکھ کر یہ دُعا پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ اَھِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْخَيْرِ وَالْيُمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اگر ۲۹ رکو چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ رکی گنتی پوری کر کے روزہ رکھیں یا عید وغیرہ منائیں۔ رویت ہلال کے لیے رویت عامہ ضروری ہے یا پھر شہادتِ شرعیہ درکار ہے، اس بارے میں خط، تار، اشتہار، اخبار، ریڈیو، ٹیلی فون اور افواہ وغیرہ سب بے کار اور ناقابلِ اعتبار ہیں۔

نیت:

نیت کا وقت غروبِ آفتاب سے لے کر ضحوۂ کبریٰ تک ہے۔ نیت دل کے ارادے کا نام ہے مگر زبان سے کہہ لینا مستحب ہے۔ اگر رات میں نیت کریں تو یوں کہیں:

نَوَيْتُ اَنْ اَصُوْمَ غَدًا لِلّٰهِ تَعَالٰى مِنْ فَرْضِ رَمَضَانَ هٰذَا

یعنی میں نے نیت کی اللہ کے لیے کہ اس رمضان کا فرض روزہ کل رکھوں گا۔

اور اگر دن میں نیت کریں تو بجائے غَدًا کے هٰذَا الْيَوْمَ کہیں۔ یعنی آج کا روزہ، جنھیں صبح صادق کی

شناخت نہیں وہ گرمیوں میں خصوصاً جون اور جولائی میں سورج نکلنے سے ایک گھنٹہ چالیس منٹ پہلے اور جاڑوں میں خصوصاً دسمبر اور جنوری میں ڈیڑھ گھنٹہ پہلے سحری کرلیا کریں۔ سحری تاخیر سے کرنا سنت ہے نہ اتنی کہ صبح صادق ہونے کا شک ہوجائے۔

افطار:

افطار میں جلدی کرنا سنت ہے، مگر اتنی جلدی نہیں کہ سورج ڈوبنے میں شک ہو۔ جب سورج ڈوبنے کا غالب گمان ہوجائے تو فوراً افطار کرلیں۔ کھجور، چھوہارے یہ نہ ہوں تو پانی سے افطار کرنا سنت ہے۔ افطار کے وقت یہ دُعا پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَ بِكَ اٰمَنْتُ وَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ فَاغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ

ترجمہ: اے اللہ میں نے تیرے لیے روزہ رکھا، تجھ پر ایمان لایا، اور تجھی پر بھروسا کیا اور تیرے ہی دیے ہوئے رزق سے افطار کیا، پس میرے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادے۔

مسجد میں کھانا، پینا، سونا معتکف اور مسافر کے علاوہ کسی کو جائز نہیں۔ اس لیے اگر مسجد میں افطار کی ضرورت پیش آئے تو اعتکاف کی نیت کرلیں اور کچھ ذکرِ الٰہی کرنے کے بعد افطار کریں مگر شور و غل جیسا کہ آج کل مسجدوں میں ہوتا ہے ہرگز ہرگز نہ ہونے پائے۔ مسجد سے مراد وہ جگہیں ہیں جو نماز کے لیے خاص ہیں۔ ارد گرد خالی جگہ اور وضو وغیرہ کرنے کی جگہ خارجِ مسجد ہے وہاں بلانیتِ اعتکاف بھی کھانا پینا افطار کرنا جائز ہے۔

مفسدات:

وہ باتیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ یہ ہیں: صبح صادق ہونے کے بعد یہ سمجھ کر کہ صبح صادق نہیں ہوئی ہے سحری کھالینا۔ سورج نہیں ڈوبا تھا اور یہ سمجھ کر کہ ڈوب چکا ہے افطار کرلینا۔ کلی کرتے وقت بلاقصد حلق کے نیچے پانی کا اُتر جانا۔ بھول کر کھاپی لینے کے بعد یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا قصداً کھاپی لینا۔ ناک میں پانی ڈالنا کہ دماغ تک چڑھ گیا۔ ناک میں دوا سڑکنا۔ کان میں دوا یا تیل ڈالنا۔ دانت کے خون کو نگل جانا۔ دانت میں اٹکے ہوئے کھانے کو نگل جانا جب کہ چنے کے برابر یا زیادہ ہو۔ قصداً بھر منہ قے کرنا۔ بلاقصد خود قے آئی اور چنے برابر یا زیادہ نگل جانا۔ حقنہ لینا۔ دماغ یا شکم کی جھلی تک زخم ہے اس میں دوا ڈالنا جب کہ دماغ یا شکم تک دوا پہنچ جائے۔ انجکشن وغیرہ کے ذریعے دماغ یا پیٹ میں دوا پہنچانا۔ صبح صادق کے قریب بھول کر جماع میں مشغول تھا صبح ہونے پر یاد آنے پر الگ نہ ہونا۔ مباشرتِ فاحشہ، بوسہ اور چھونے سے انزال ہوجانا۔ حقہ، بیڑی، سگریٹ وغیرہ

پینا۔ پان یا صرف تمبا کو کھانا اگر چہ پیک تھوک دے۔ ان سب باتوں سے روزہ جاتا رہتا ہے اور صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔

جان بوجھ کر کھانا، پینا، جماع کرنا، بھول کر کھا پی رہا تھا، یاد آنے کے بعد یا سحری کھا رہا تھا صبح صادق ہونے کے بعد منہ کا نوالہ یا پانی کا گھونٹ نگل لینا، ان باتوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر ان سب صورتوں میں قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ قضا کا مطلب یہ ہے کہ ایک روزہ کے بدلے ایک روزہ رکھنا واجب ہے، اور کفارہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک روزہ کے بدلے پے در پے بلا ناغہ ساٹھ روزے رکھنا ضروری ہے، اگر اس کی طاقت نہیں تو پھر ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے۔

مکروہات:

بُری باتیں بولنا، سننا۔ ایذا دینا۔ فضول چیخنا چلانا۔ شطرنج، جوا، تاش وغیرہ ناجائز کھیل کھیلنا۔ سنیما وغیرہ ناجائز تماشا دیکھنا۔ کلی کرنے، ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا۔ پانی میں ہوا خارج کرنا۔ پچھنا لگوانا کمزوری کے اندیشہ کے وقت قصداً کھلوانا۔ انجکشن لگوانا۔ زیادہ دیر تک منہ میں پانی رکھنا۔ بلا عذر کسی چیز کو چبانا یا چکھنا۔ اگر شوہر بد مزاج ہے تو عورت سالن اس طرح چکھ سکتی ہے کہ حلق میں ذرا بھی نہ جانے پائے۔ بچہ کو کھانے کے لیے کوئی چیز نہ ہو اور نہ وہاں کوئی ایسا روزہ دار ہو جو چبا چبا کر کھلا دے تو روٹی وغیرہ چبا کر دینے میں کراہت نہیں۔ ایسا کام کرنا منع ہے جس سے اتنی کمزوری بڑھنے کا غالب گمان ہو کہ روزہ توڑنا پڑے۔

جن باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

بھول کر کھانا، پینا۔ جماع کرنا۔ خود بخود قے ہونا خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ۔ جان بوجھ کر منہ بھر سے کم قے کرنا قے کا از خود لوٹ جانا۔ خوشبو سونگھنا۔ سر یا بدن پر تیل ملنا۔ سرمہ لگانا۔ آنکھ میں دوا ڈالنا۔ مسواک کرنا۔ کلی کے بعد منہ میں تَری کا رہ جانا یا اس کا نگل جانا۔ صبح کو جنابت کی حالت میں اُٹھنا یا دن میں احتلام کا ہو جانا۔ ان باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور نہ مکروہ ہوتا ہے۔ یوں ہی حلق میں مکھی، مچھر، مٹی یا آٹے کا غبار اور دھواں جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

وہ حالات جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے:

ایسا مریض جس کے روزہ رکھنے سے اس کی جان جانے یا کسی عضو کے ضائع ہونے یا مرض بڑھنے یا دیر میں اچھا ہونے کا غالب گمان ہو۔ حمل اور دودھ پلانے کے وقت جب کہ عورت کی یا بچہ کی جان جانے کا صحیح اندیشہ ہو۔ سفرِ شرعی۔ مسافر اگر حالتِ سفر میں بآسانی روزہ رکھ سکتا ہے تو روزہ رکھنا افضل ہے۔ ایسی حالت میں جب کہ روزہ ترک کرنے پر اس طرح مجبور کیا جا رہا ہو کہ اگر روزہ ترک

نہیں کرتا تو اس کی جان مال یا کسی عضو کو یقیناً نقصان پہنچے گا۔ جنون، غشی، جہاد، ایسا بڑھاپا جس کی وجہ سے نہ اب روزہ رکھنے پر قادر ہو اور نہ آیندہ اس کی کوئی اُمید ہو۔ ایسی حالت میں ہر روزہ کے بدلے دونوں وقت ایک مسکین کو پیٹ بھر کھانا کھلانا واجب ہے۔ حیض اور نفاس کی حالت میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ جب مذکورہ حالتیں دور ہو جائیں تو روزہ کی قضا واجب ہے۔

تراویح:

تراویح کی بیس رکعتیں رمضان کی ہر رات میں ہر غیر معذور مرد و عورت کے لیے سنت مؤکدہ ہیں۔ تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا سنت اور اس سے زیادہ مستحب ہے۔ تراویح کا وقت عشا کے فرض کے بعد سے صبح صادق تک وتر سے قبل ہے۔ ہر چار رکعت کے اُتنی ہی مقدار بیٹھنا مستحب ہے۔ اس عرصہ میں اختیار ہے کہ تلاوت کرے یا کلمۂ طیبہ پڑھے یا دُرود شریف پڑھے یا صرف سبحان اللہ سبحان اللہ کہے یا تین بار یہ دُعا پڑھے:

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ، سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْجَبَرُوْتِ، سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَآئِكَةِ وَالرُّوْحِ، اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْر۔

”اللہ پاک ہے، ملک اور بادشاہت والا، پاک ہے، عزت، بزرگی، بڑائی اور قدرت و طاقت والا پاک ہے وہ بادشاہ جو زندہ ہے، نہ سوئے اور نہ مرے، پاک اور مقدس ہے، ہمارا اور فرشتوں اور روح کا مالک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں، اے اللہ ہم تجھ (سے) جنت کا سوال کرتے ہیں اور دوزخ سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔“

ڈاڑھی منڈوانے والے یا حدِ شرع سے کم کرنے والے کو امام نہ بنایا جائے۔ نابالغ کی امامت بھی صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید مخارج کی ادائیگی اور صحت کے ساتھ صاف صاف پڑھنا ضروری ہے، جس نے عشا کی نماز جماعت سے نہ پڑھی ہو وہ تراویح کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے ہاں وتر تنہا پڑھے۔

اعتکاف:

اعتکاف سنت کفایہ ہے۔ شہر میں اگر ایک نے کر لیا تو سب بری الذمہ ورنہ سب گنہ گار ہوں گے۔ بیسویں رمضان کو سورج ڈوبنے سے قبل معتکف کو اعتکاف کی نیت سے مسجد میں پہنچ جانا چاہیے پھر چاند ہونے کے بعد نکلے۔ بلا عذر معتکف کو مسجد سے نکلنا منع ہے، اگر نکلے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ اعتکاف کی نیت یوں کرے: ”بِسْمِ اللّٰهِ دَخَلْتُ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَنَوَيْتُ سُنَّةَ الْاِعْتِكَاف“ میں اللہ کے نام سے داخل ہوا اور اسی پر بھروسا کیا اور اعتکافِ سنت کی نیت کی۔

صدقۂ فطر:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کا روزہ آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتا ہے جب تک کہ صدقۂ فطر نہ ادا کرے۔ صدقۂ فطر ہر مسلمان مالکِ نصاب پر جس کی نصاب حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو، اس پر اپنی اور اپنی چھوٹی اولاد کی طرف سے واجب ہے۔ اگر چھوٹی اولاد خود مالکِ نصاب ہو تو صدقۂ فطر اس کے مال سے ادا کیا جائے گا۔ مالکِ نصاب وہ شخص ہے جو ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا کچھ سونا اور کچھ چاندی کہ دونوں مل کر کوئی ایک نصاب پوری ہو جانے کا مالک ہو یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا نقد روپیا ہو یا سونا چاندی اور نقد رقم ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا نصاب بن جائے۔ صدقۂ فطر ایک آدمی کی طرف سے خواہ بڑا ہو یا چھوٹا (ایک صاع منقیٰ یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو یا نصف صاع گیہوں۔ صاع ایک پیمانہ تھا جس میں گیہوں چار کلو گرام چورانوے گرام آتا ہے تو نصف صاع دو کلو سینتالیس گرام ہوا اشیایا) گیہوں یا اس کی قیمت دینا واجب ہے۔ صدقۂ فطر عید گاہ جانے سے قبل ادا کر دینا سنت ہے۔ نماز کے بعد بھی دیا جا سکتا ہے۔ صدقۂ فطر کے مستحقین وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں۔

ترکیب نمازِ عید الفطر:

عید کی نماز کی نیت یوں کرے۔ نیت کی میں نے دو رکعت نماز عید الفطر واجب کی اللہ کے لیے، چھے زائد تکبیروں کے ساتھ، اس امام کے پیچھے، کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے، اس کے بعد کانوں تک ہاتھ لے جائے اور تکبیر کہتا ہوا ہاتھ باندھ لے اور ثنا پڑھے، پھر دو مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جائے اور تکبیر کہتے ہوئے دونوں مرتبہ چھوڑ دے، پھر تیسری مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جا کر تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لے، پھر حسبِ دستور رکعت پوری کرے، پھر دوسری رکعت میں قرأت کے بعد قبل رکوع تین مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جائے اور تکبیر کہتا ہوا چھوڑ دے اور چوتھی تکبیر کے وقت بغیر کانوں تک ہاتھ اُٹھائے صرف تکبیر کہتا ہوا رکوع میں چلا جائے اور حسبِ دستور نماز پوری کرے، نماز کے بعد امام خطبہ پڑھے۔ سب لوگ سنیں اور بالکل خاموش رہیں خواہ خطبہ کی آواز سنائی دے یا نہ دے۔ خطبہ کے بعد دُعا مانگیں، پھر سلام مصافحہ اور معانقہ اور ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کریں۔

عید کے دن صبح کی نماز باجماعت محلہ کی مسجد میں ادا کرنا، صدقہ دینا، حجامت بنوانا، ناخن ترشوانا، غسل کرنا، مسواک کرنا، اپنی وسعت کے مطابق اچھے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، عید گاہ جانے سے قبل طاق کھجوریں کھا لینا، اور کھجوریں نہ ہوں تو کوئی دوسری شیریں (میٹھی) چیز کھا لیں۔ ایک راستہ سے عید گاہ کو جانا اور دوسرے سے واپس ہونا۔ راستہ میں تکبیر وغیرہ پڑھنا مستحب ہے۔

(ماہ نامہ مدنی تجلیات: ناگ پور، شمارہ دسمبر ۱۹۶۶ء، ص:۱۶) ☆☆☆

تاریخ کعبۂ معظّمہ

کعبۂ معظّمہ کو بیت اللہ شریف بھی کہتے ہیں اور یہی دُنیا میں سب سے پہلا وہ مکان ہے جو خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنایا گیا۔ قرآن شریف میں ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ

(سورۃ آل عمران:۹۶)

''سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔''

کعبۂ معظّمہ کا وجود سب سے پہلے سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ہوا۔ حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے 'مدارج النبوت' میں نقل فرمایا ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے اللہ! میں اپنی سعادت کو جانتا ہوں اور تیرا ایسا نور دیکھتا ہوں جس میں تیری عبادت کرنا چاہتا ہوں، تو خدائے قدوس کے حکم سے مکۂ معظّمہ میں اسی جگہ جہاں آج کعبہ ہے۔ ایک عبادت گاہ اُتاری گئی جو ساتویں آسمان کے بیت المعمور کے بالمقابل تھی یہ بیت المعمور فرشتوں کا کعبہ ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے یہ مکان بہشت سے بھیجا گیا تھا جو یاقوت کا تھا اور اس کے دو دروازے مشرق ومغرب میں تھے جو زمرد کے بنے ہوئے تھے، اس عبادت گاہ سے حضرت آدم علیہ السلام کا رنج وغم دور ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے چالیس حج پا پیادہ کیے۔ یہ کعبہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ تک ایسا ہی رہا اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت شیث علیہ السلام نے اسے پھر سے تعمیر فرمایا تھا۔ جب طوفانِ حضرت نوح علیہ السلام آیا تو یہ عبادت گاہ آسمان پر اُٹھا لی گئی اور بنیادیں ہموار ہو گئیں اور سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ تک ایسی ہی رہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چہیتے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زمانۂ شیر خوارگی میں ہی آپ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ (رضی اللہ عنہا) سمیت اسی مقام پر چھوڑ کر واپس ہو گئے تھے جہاں آج کعبہ ہے۔ اسی کو تلِ سرخ بھی کہتے ہیں۔ جب سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ بڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کعبہ شریف کی تعمیر کا حکم فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کعبۂ معظّمہ کی تعمیر اسی جگہ شروع فرمائی جہاں حضرت آدم علیہ السلام کی عبادت گاہ تھی اور آج تک اسی جگہ قائم ہے۔ حضرت سیدنا ابراہیم اور حضرت سیدنا اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں نبیوں نے اپنے ہاتھوں سے کعبۂ معظّمہ کی تعمیر فرمائی۔

حضرت اسمٰعیل خود اپنی گردنِ مبارک پر پتھر لاتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ جو پتھر کعبۂ معظّمہ کی تعمیر میں کام آئے وہ کوہِ حرا، کوہِ شبیر، لبنان، طور اور جودی کے تھے اور یہ بھی منقول ہے کہ یہ پتھر فرشتے تراشتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد عمالقہ اور ان کے بعد جرہم نے پھر کعبہ کی تعمیر کی، ان کے بعد قریش نے کعبۂ معظّمہ کی تعمیر کی۔ جس وقت کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر شریف پینتیس سال کی تھی؛ صورت یوں ہوئی کہ سیلاب کی وجہ سے کعبۂ معظّمہ منہدم ہو گیا تھا۔ قریشِ مکہ نے تعمیر کا بیڑہ اُٹھایا، خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعمیر اور پتھر لانے میں شریک تھے۔ جب تعمیر مکمل ہو گئی تو حجر اسود کے نصب کرنے پر قبائل میں جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ یہ کہتا تھا کہ جب تک میرے قبیلے کا ایک ایک فرد قتل نہیں ہو جائے گا میں دوسرے کو حجر اسود نصب نہیں کرنے دوں گا۔ آخر اس پر فیصلہ ہوا کہ جو کوئی (صبح) مسجد حرام کے دروازے سے پہلے آئے اسی کے فیصلہ کو سب تسلیم کر لیں گے۔ اتفاق کہ سب سے پہلے تشریف لانے والوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، تمام لوگ خوش ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادرِ مبارک بچھا کر حجر اسود اس میں رکھا اور خاص قبیلوں کے خاص افراد سے چادر پکڑنے کے لیے فرمایا اس طرح یہ حجر اسود کعبۂ معظّمہ کی مشرقی جنوبی گوشہ تک لایا گیا، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دستِ اقدس سے کعبہ میں نصب فرما دیا۔ اس کے بعد اس زمانہ میں جب کہ کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی، ان ہی ایام میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر کعبۂ معظّمہ کی تعمیر کی۔ اس زمانہ میں آپ کی حکومت مکۂ معظّمہ میں تھی۔ اس کے بعد جب ان ہی حضرت عبداللہ ابن زبیر پر ظالم حجاج بن یوسف نے عبدالملک کے حکم سے حملہ کیا، کعبۂ معظّمہ میں بھی مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ بے حرمتی کی گئی۔ اس واقعہ کے درمیان حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کہ آپ حجاج کی طرف سے پھینکے ہوئے منجنیق کے پتھر سے زخمی ہو کر بے ہوش ہو گئے تھے۔ آپ کا سرِ مبارک وہیں کعبہ میں کاٹا گیا اور آپ کے جسم کو سولی دی گئی۔ پھر حجاج نے کعبۂ معظّمہ کو منہدم کر کے پھر سے تعمیر کی جو آج تک قائم ہے۔

(ماہ نامہ مدنی تجلیات: ناگ پور، شمارہ اپریل مئی ۱۹۶۶ء، ص ۱۵)

☆☆☆

جن

جس طرح انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اسی طرح جن آگ سے پیدا کیے گئے ہیں، جن کو ایک وہمی یا افسانوی حیثیت دے کے اس کے وجود سے انکار کر دینا غلط اور اسلام کے نزدیک کفر ہے، قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے:

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ کَالۡفَخَّارِ وَخَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ

(سورۃ الرحمٰن: ۱۴/ ۱۵)

''پیدا کیا انسان کو ٹھیکری کی مانند بجتی ہوئی مٹی سے اور جنوں کو آگ کے شعلے سے۔''

انسانوں کی طرح جنات میں بھی نسل جاری ہے، خاندان، قبیلہ، قوم ان میں موجود ہیں۔ مختلف مقامات میں ان کے رہنے سہنے کی بستیاں، حکومت، حاکم، بادشاہت بھی ان میں پائی جاتی ہیں۔ جنات کی تعداد بہ نسبت انسان کے بہت زیادہ ہے۔ دینی و مذہبی اعتبار سے ان میں بھی صحیح العقیدہ، نیک، شریر، فاسق، بدعقیدہ، گمراہ، منافق، کافر، مشرک موجود ہیں۔ ان کی عمریں بہت زیادہ طویل ہوتی ہیں۔ کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، مرتے اور دفن بھی ہوتے ہیں۔ شکل وصورت بدلنے، جسمِ انسانی میں سرایت کرنے وسوسہ ڈالنے کی انھیں قوت دی گئی ہے۔

چند دلچسپ احادیث ملاحظہ فرمائیں جن سے یہ امور واضح ہو جائیں گے:

(۱) سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ایک پہاڑ پر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بوڑھا شخص لاٹھی لیے ہوئے حاضر ہوا اور سلام کیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دے کر فرمایا: اس کی آواز جن کی آواز ہے، دریافت فرمایا تُو کون ہے؟ اس نے عرض کیا میں ہامہ ابن ہیم ابن لاقیس ابن ابلیس ہوں (یعنی ابلیس کا پڑپوتا ہوں۔) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ابلیس سے تیرا فاصلہ صرف دو نسل کا ہے بتا تیری عمر کیا ہے؟ اس نے عرض کیا حضور جس وقت ہابیل و قابیل (حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا واقعہ ہوا تھا (یعنی قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تھا) تب میں لڑکا تھا، مگر بات سمجھتا تھا۔ پہاڑوں میں جا کر مویشی چرایا کرتا تھا۔ آدمی کے دل میں وسوسہ ڈالا کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تُو شریر ہے۔ اس جن نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں توبہ کا ارادہ کر کے حاضر ہوا ہوں۔ یا رسول اللہ! میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا ان کے ساتھ مسجد میں رہا، ان کے ہاتھ پر توبہ کی پھر ان کے ساتھ اور ایک سال مسجد میں رہا، حضرت ہود، حضرت یعقوب، حضرت یوسف علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہا، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی ملاقات کی اور توریت سیکھی اور ان کا سلام حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچایا، حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات ہوتو آپ سے میرا اسلام کہنا میں اس امانت کو پہنچانے کے لیے حاضر ہوا ہوں اور اُمید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے قرآن سکھائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو سورۂ واقعہ، سورہ مُرسلات، سورۂ عم یتساءلون، واذا الشمس کورت، قل ہو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس، تعلیم فرمائی اور ارشاد فرمایا، اے ہامہ! جب تجھ کو حاجت ہو میرے پاس آنا، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال فرمایا اور مجھے اس ہامہ (جن) کے مرنے کی خبر نہیں دی، معلوم نہیں وہ مرگیا یا زندہ ہے۔ (لقط المرجان فی احکام الجان، فی ذکر اخبار الجن، ص ۲۱۶)

(۲) مرداس ابن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، کاہنوں کا ذکر ہو رہا تھا، لوگ اس بحث میں مشغول تھے کہ کہانت کا صیغہ اب نبوت اور وحی کے ظاہر ہونے کی وجہ سے موقوف ہو گیا ہے، اسی تذکرہ میں میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایک عجیب قصہ میرے ساتھ بھی ہوا ہے۔

میری ایک لونڈی خلصہ نام کی نہایت پارسا تھی۔ ایک دن وہ میرے پاس (گھبرائی) ہوئی آئی اور کہا کہ آپ مجھ کو کیسا جانتے ہیں؟ میں نے کہا کہ نیک اور پارسا۔ وہ کہنے لگی کہ مجھ پر ایک عجیب حال گزرا ہے۔ ایک دن میں اکیلی بیٹھی تھی کہ ایک شے سیاہ مجھ پر چڑھ گئی اور اس نے میرے ساتھ صحبت کی پھر مجھے کچھ احساس نہ ہوا، مجھ کو یہ خوف ہے کہ حمل نہ رہ گیا ہو اور آپ مجھ پر زنا کی تہمت نہ رکھیں۔ میں نے کہا، اے خلصہ! تُو گھبرا مت، مجھے تیری جانب سے اس کا وہم بھی نہیں۔ کچھ دن بعد معلوم ہوا کہ وہ لونڈی حاملہ ہے اور معمول کے مطابق اس کو لڑکا پیدا ہوا جس کے دونوں کان کتے کی طرح اور جسم کا رنگ بھی انسانی رنگ سے جداگانہ تھا۔ وہ لڑکا بڑا ہوا تو ہمارے لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ دفعتاً ایک دن ننگا ہوکر چلانے لگا کہ ہائے افسوس! دُشمن کے سوار پہاڑ کی طرف لوٹنے کھسوٹنے کے لیے کھڑے ہیں اور تم غافل ہو۔ میں ہتھیار باندھ کر نکلا اور ان کو لڑ کر بھگا دیا۔ اس وقت سے اس کی بات کا اعتبار ہو گیا تھا جو خبر دیتا تھا وہ سچ ہوتی تھی، مگر یا رسول اللہ! جب سے آپ مبعوث ہوئے ہیں جو کچھ کہتا ہے سب جھوٹ ہوتا ہے۔ میں نے اس سے سبب پوچھا تو اس نے کہا جو مجھے خبر دیتا ہے وہ جھوٹ کہتا ہے۔ اگر امتحان کرنا ہے تو ایک اندھیری کوٹھری میں مجھے بند کردو۔ وہ جن آکر مجھ میں سرایت کرے گا، اس سے پوچھ لو۔ مرداس فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو بند کر دیا، تیسرے دن کوٹھری کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کا بدن آگ کی طرح دہک رہا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ جن سرایت کیا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اے عزیز! اس سے پیشتر تُو سچی خبریں بتایا کرتا تھا، اب جھوٹی خبریں کس لیے کہتا ہے؟ اس نے کہا اب خیر الانبیاء ختم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں۔ آسمان پر چوکیدار مقرر ہو گئے ہیں۔ اب کوئی خبر سچی نہیں ملتی ہے۔ میں نے پوچھا وہ رسول کہاں ہیں؟ اس نے کہا مکۂ معظّمہ میں رونق

افروز ہیں۔ پھر کہا کہ اب میں مرتا ہوں۔ مجھ کو پہاڑ کی چوٹی پر دفن کرنا، دفن کے بعد آگ کے شعلے اُٹھیں گے، تین کنکریاں بِاسْمِكَ اللّٰھُمَّ پڑھ کر مارنا یہ شعلے بند ہو جائیں گے، یہ کہہ کر وہ مر گیا۔ میں نے اس کو پہاڑ کی چوٹی پر دفن کر دیا، اس کے بعد یارسول اللہ! مجھے آپ کی رسالت کی خبر مل گئی۔(ابن عساکر)

(۳) حضرت جابر اور حضرت ضمیرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی خبر اول اول مدینۂ منورہ میں اس طرح پھیلی کہ مدینے کی ایک عورت کسی جن پر عاشق تھی، وہ جن اکثر پرند کی صورت دیوار پر بیٹھ جاتا ہے، جب عورت اکیلی ہوتی تو آدمی کی صورت میں اس کے پاس پہنچ جاتا، اس سے صحبت کرتا۔ اچانک چند روز وہ جن نہیں آیا۔ اس کے بعد حسبِ دستور ایک دن دیوار پر آ بیٹھا۔ عورت نے پہچان لیا اور کہا نیچے آ، کئی روز سے تو کیوں نہیں آیا۔ اس جن نے کہا اب ہمارے تمہارے درمیان جدائی ہوگئی۔ اس لیے کہ مکۂ معظّمہ میں ایک رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے زنا کو حرام قرار دیا ہے۔(امام احمد، ابونعیم)

(۴) حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے سے قبل ایامِ جاہلیت میں ایک جن میرا آشنا تھا کہ آیندہ کی خبریں دیتا تھا اور نذر نیاز لیتا تھا۔ ایک رات میں سویا کہ وہی جن آیا اور کہنے لگا اُٹھ اور سمجھ اگر تجھ کو عقل ہے۔ ایک نبی (محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) لوی بن غالب کی اولاد میں مبعوث ہوئے ہیں اور چند اشعار پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے:

'ہماری قوم (جن) کے سردار مکہ کو ایمان لانے جاتے ہیں تو بھی چل کر مسلمان ہو جا۔'

میں جاگ پڑا تمام رات تشویش میں رہا پھر دوسری اور تیسری رات کو بھی یہی معاملہ گزرا، پھر تو اسلام کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہوگئی اور میں سفر کا سامان درست کر کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا، مرحبا! اے سواد بن قارب مجھے معلوم ہے جس سبب سے تو آیا ہے، میں نے کہا، یارسول اللہ! میں نے چند اشعار مدح میں کہے ہیں، پہلے اُن کو سماعت فرما لیجیے، چناں چہ سواد بن قارب نے قصیدہ پڑھا جس کا آخری شعر یہ ہے ؎

وَ كُنۡ لِي شَفِيعًا يَوۡمَ لَا ذِي شَفَاعَةٍ
سِوَاكَ بِمُغۡنٍ عَنۡ سَوَادِ بۡنِ قَارِبِ

یعنی آپ اس دن کے لیے میری شفاعت کرنے والے ہو جائیں جس دن آپ کے سوا کوئی سواد بن قارب کی سفارش کرنے والا نہ ہوگا، (المعجم الکبیر: الجزء: ۲۵، ص۲۵۷ / المستدرک علی الصحیحین: حدیث ۶۶۳۵)

باقی بحث آیندہ اشاعت میں ان شآء اللہ تعالیٰ مفید و دل چسپ ہوگی۔

(ماہ نامہ تجلیات: ناگ پور، شمارہ مارچ ۱۹۶۶ء، ص۲۹)

☆☆☆